پُراسرار کنواں

ابنِ صفی

پُراسرار کنواں

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ٦

ابنِ صفی

١٩٥٢

پیش رس

پُر اسرار کنواں پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو کئی دلچسپ کردار ملیں گے۔ طارق جس کی آنکھیں خطرناک تھیں، جس کے پاس ایک عجیب و غریب نیولا تھا، جو پل بھر میں بڑے بڑے شہتیر کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ پرویز ہے ایک چالیس سال کا بچّہ جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا، فیڈر سے دودھ پیتا تھا اور ملازمین اُسے گود میں اُٹھائے پھرتے تھے۔ غزالہ ہے جو حالات سے پریشان ہو کر فریدی سے مدد طلب کرتی ہے۔ وہ عمارت جس کی دیواروں سے درندوں کی آوازیں آتی تھیں اور پوری عمارت کسی جنگل کی طرح گونجنے لگتی تھی اور ایک کنواں جس

سے انگاروں کی بوچھاڑیں نکلتی ہیں۔

بہر حال میرے ابتدائی ناولوں میں یہ ناول بھی بے حد پسند کیا گیا ہے اور آج بھی آپ ہی کے بے حد اصرار پر دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

ابنِ صفی

انگاروں کی بارش

موسم گرما کی ایک خوشگوار رات تھی۔ تقریباً گیارہ بجے تھے۔ نوّاب رشید الزّماں نے اپنے نو آمدہ مہمان کے ساتھ ہی باغ میں کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد سے اب تک بیٹھے اس کے سفر کی داستانیں سُن رہے تھے۔ ان کا مہمان طارق ادھیڑ عمر کا ایک تندرست آدمی تھا۔ اس نے سفید پتلون اور آدھی آستینوں کی سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ گھٹے ہوئے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ وہ ایک مشقّت پسند آدمی ہے۔ سُرخ و سفید چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی ہوئی مونچھیں اس کی شخصیت میں ایک بارعب اضافہ تھیں۔

آنکھیں چھوٹی اور غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ آج ہی نوّاب صاحب کے یہاں کے بہتیرے افراد نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود زیادہ تر اپنی نظریں نیچی ہی رکھتا تھا۔ وہ ایک سیّاح تھا اور سیّاحی کی وجہ سے ہمیشہ پردۂ راز میں ہی رہی تھی۔ وہ نوّاب صاحب کا جگری دوست تھا لیکن انہیں بھی اس کی سیاحی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس موضوع پر جب بھی کوئی بات آتی وہ ہمیشہ بات کاٹ کر کوئی اور تذکرہ چھیڑ دیا کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قدیم خزانوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اوہ اچھے خاصے دولت مند کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن اس کا ذریعہ آمدنی کسی کو معلوم نہ تھا۔

نوّاب صاحب سے اس کی پہلی ملاقات بھی عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ سات آٹھ سال قبل نوّاب صاحب مشرقی مُلکوں کی سیر کے لیے تقریباً دو سال کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ ایران کی سرزمین انہیں اتنی پسند آئی کہ تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے وہاں قیام کیا۔ ایران کی پر فضا پہاڑیاں سرسبز اور حسین مرغزار

اُن کے پیروں میں بیڑیاں بن کر رہ گئے تھے۔ ایران کے آثارِ قدیمہ نے بھی ان کی بڑی حد تک اپنی طرف متوجہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یادگاروں سے انہیں پہلے بھی اُنس تھا وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے تہذیبِ حاضرہ ہی کے کارناموں سے دل نہ بہلایا تھا بلکہ پرانے انسانوں کی محنت اور ان کی کاری گری کے نمونوں میں بھی اپنا بہتیرا وقت صرف کیا تھا۔ ایران کے آثار قدیمہ تو پھر انہیں کے اسلاف کی یادگار تھے۔

ایک شام جب وہ ایران کے ایک پرانے بادشاہ کے محلّات کے کھنڈروں سے واپس آرہے تھے انہیں ایک جگہ پتھّروں کے ڈھیر سے ایک انسانی ہاتھ نکلتا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے گھبراہٹ میں چاروں طرف نظر ڈالی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کِیا جائے۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد انہوں نے پتھّر ہٹانے شروع کئے۔ تھوڑی ہی دیر کی محنت کے بعد ان کے سامنے ایک بے ہوش آدمی پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ وہ بے ہوش آدمی کو اُٹھا کر اس کے کنارے لے گئے۔

اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے کی جانفشانیوں کے بعد اسے ہوش آگیا۔ یہ طارق تھا۔ اس نے بتایا کہ اچانک ایک پرانی دیوار کے گِر جانے کی وجہ سے وہ دب گیا تھا۔ وہ نوّاب صاحب کو اپنی جائے رہائش پر لے گیا۔ نوّاب صاحب کو اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور وہ اس سے قریب ہوتے گئے۔ نوّاب صاحب ایران سے ترکی جانے لگے تو طارق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ سیّاحت کرتے رہے۔

طارق کی شخصیت بہت ہی عجیب وغریب تھی۔ وہ نسلاً عرب تھا۔ لیکن دنیا کی کوئی شاید ہی ایسی زبان ہو جو وہ نہ جانتا ہو۔ کئی زبانوں پر تو وہ اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اس کے لہجے میں اجنبیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں پاتے تھے۔ جب وہ نوّاب صاحب سے اُردُو میں گفتگو کرنے لگتا تو وہ یہی محسوس کرتے تھے وہ یوپی کا باشندہ ہو۔ دو سال کے عرصے میں نوّاب صاحب اس کے بہت زیادہ گرویدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان آتے وقت انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کسی موقع پر ہندوستان آکر کچھ دِن نوّاب صاحب کے ساتھ ضرور گذارے

گا۔

اور اس وقت وہ ان کے پائیں باغ میں بیٹھا انہیں اپنے سفر کی داستانیں سنا رہا تھا۔ اس کی گود میں ایک نیولا اونگھ رہا تھا۔ ایسا عجیب و غریب نیولا کم از کم نوّاب صاحب اور ان کے متعلّقین کی نظروں سے آج تک نہ گذرا تھا۔ وہ قد اور لمبائی میں ہندوستانی بلّی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور پیٹھ پر تین چار لمبی لمبی دھاریاں تھی۔ بڑی سی گنجان دم کرسی سے لٹک رہی تھی۔ نوّاب صاحب کی لڑکی غزالہ بہت دیر سے بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ اس نیولے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کی باتوں کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بولتے بولتے تھک گیا ہو۔ اسے خاموش پاتے ہی وہ جھٹ سے بول پڑی۔ ”میں اس نیولے کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔“

”ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔!“ طارق مُسکرا کر بولا۔

"میں نے آج تک اتنا خوفناک نیولا نہیں دیکھا۔"

"ہاں یہ کمیاب ہے۔۔۔اور ایشیا میں تو اس کا وجود ہی نہیں۔ میں نے اسے برازیل کے جنگلوں میں پکڑا تھا۔ یہ اس وقت بچّہ تھا۔"

"تو کیا برازیل میں اس قسم کے نیولے ہوتے ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔۔۔یہ وہاں بھی کمیاب ہے۔" طارق نے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔!"

"اسے کوئی چیز سنگھار کر اگر تم پاتال میں چھپا آؤ تو یہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اچھا تو پھر ہمیں یہ تماشہ آپ کب دکھائیں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"جب کہو۔"

"تو لیجیے میرا رومال اسے سنگھائیے۔۔۔میں اسے کہیں چھپا آؤں۔"

طارق نے ہنس کر رومال لے لیا اور نیولے کی ناک پر رکھ کر پھر غزالہ ہی کو واپس کر دیا۔ غزالہ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی۔

"اچھی طرح چھپا دیا ہے نا۔۔۔!" طارق ہنس کر بولا۔

"خوب اچھی طرح۔۔۔!"

طارق نے نیولے کو زمین پر اتار دیا اور اس کی پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "جارشی" نیولا دوڑتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ سب لوگ متحیّر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند منٹوں کے بعد وہ لوٹا۔ اس کے منہ میں غزالہ کا رومال تھا۔

"ارے۔۔۔!" سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ طارق ہنسنے لگا۔ غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"میں اس رومال کو اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر کے تالا لگا آئی تھی۔" وہ حیرت سے بولی۔

”تالا اس کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔“ طارق نے کہا۔ ”لیکن اس نے تمہاری خوبصورت الماری برباد کر دی۔“

”وہ کیسے۔“

”اس میں کم از کم اتنا بڑا سوراخ ضرور ہو گیا ہو گا جس میں سے یہ آسانی سے گذر سکے۔“

”اتنی جلدی اتنا بڑا سوراخ کر دینا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔“ نوّاب صاحب بولے۔

”الماری کے تختے زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ انچ موٹے ہوں گے۔“ طارق بولا۔ ”یہ تو اچھے خاصے شہتیر منٹوں میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔“

”آپ کی ہر چیز عجیب و غریب ہے۔“ غزالہ نے حیرت سے کہا۔

طارق مُسکرا کر خاموش ہو گیا۔

وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سارے باغ میں روشنی ہو گئی۔ غزالہ نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر اچھل پڑی۔ پرانے اندھے کنوئیں سے انگاروں کا فوّارہ سا چھوٹ پڑا تھا۔ شعلے کافی بلندی تک اٹھ رہے تھے۔ ایک عجیب قسم کی زنّاٹے دار آواز سے سارا باغ گونج رہا تھا۔

"یہ کیا تھا۔" طارق جلدی سے بولا اور اس کے نیولے نے بھی اتنی بھیانک چیخ ماری کہ سب کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سب کے سب پتھّر کے بُتوں کی طرح خاموش تھے۔

آہستہ آہستہ انگاروں کی بوچھاڑ کم ہوتی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کی فضا پر پہلا سا سکوت طاری ہو گیا۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" طارق نے سکوت توڑا۔

غزالہ مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" نوّاب صاحب مردہ آواز میں بولے۔ "معلوم

ہوتا ہے کہ ہم پر کوئی مُصیبت آنے والی ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔!" طارق چونک کر بولا۔

"میں نے والد صاحب مرحوم کی زبانی سُنا تھا کہ ایک بار دادا مرحوم کے زمانے میں بھی اس کنویں سے انگارے نکلے تھے اور پھر خاندان میں پے در پے موتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" طارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔" نوّاب صاحب نے اٹھ کر اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "اُدھر مت جاؤ۔"

"کیوں۔۔۔!"

"معلوم نہیں کیا ہو۔"

طارق ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا نیولا ایک پالتو کتّے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے

چل رہا تھا۔

”ذرا ایک ٹارچ تو منگواؤ۔“ اس نے کنوئیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”بھئی میں کہتا ہوں لوٹ آؤ۔“ نوّاب صاحب چیخے۔

”ٹارچ۔“ طارق چیخا۔۔۔اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

نوّاب صاحب نے ایک نوکر سے ٹارچ منگوائی۔

”رشید الزّماں۔۔۔یہاں آؤ۔“ طارق ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں ڈالتے ہوئے بولا۔

رشید الزّماں بادل خواستہ آگے بڑھے۔ غزالہ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔

”وہ دیکھو۔۔۔ کیا ہے۔“ طارق نے انہیں کنوئیں میں جھانکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رشید الزّماں چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

”کیا ہے ابّا جان۔“ غزالہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”جاؤ جاؤ۔۔۔!“ نوّاب رشید الزّماں پلٹ کر چیخے۔ ”تم اندر جاؤ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ چلی جاؤ۔“

خوفناک آوازیں

نوّاب صاحب کا لہجہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ غزالہ بے اختیار کوٹھی کی طرف مُڑ گئی۔

"اب کیا کِیا جائے۔" طارق بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں۔" نوّاب صاحب کنوئیں کی جگہ کے قریب زمین پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا آپ کی یادداشت میں اس کنوئیں سے کبھی چنگاریاں نہیں نکلیں۔"

"نہیں۔۔۔!" نوّاب صاحب بولے۔ "یہ والد صاحب کے بچپن کی بات ہے۔"

"تو آپ نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ واقعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں۔۔۔!" نوّاب صاحب کے لہجے میں ناخوشگواری تھی۔ وہ اس وقت کسی قسم کے سوال وجواب کے موڈ میں نہ تھے۔

دفعتاً کوٹھی کے اندر ایک عجیب وغریب قسم کے شور کی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا۔۔۔!" طارق چونک کر بولا۔

نوّاب صاحب بھی متحیّر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار گیدڑ کتّے اُلّو اور نہ معلوم کون کون سے جانور بیک وقت چیخ رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ دونوں بے تحاشہ کوٹھی کی طرف لپکے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ آوازیں در و دیوار سے نکل رہی ہوں۔ اس قدر شور

تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔ کوٹھی کے سارے افراد کمروں میں بند ہو کر طرح طرح کی خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔

"یہ اتنے جانور یہاں کیسے گھُس آئے۔" طارق نے کہا۔ اس کا نیولا اچھل کر اس کے سینے سے چمٹ گیا تھا۔

نوّاب صاحب اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں رعشے کی بیماری ہو گئی ہو۔

"نہ۔۔۔نہ۔۔۔جج۔۔۔جانے۔۔۔کیا بات ہے۔" نوّاب صاحب ہکلاتے ہوئے بولے۔

طارق ایک ایک کونہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ لیکن چیخنے والے جانوروں کا کہیں پتہ نہیں چل رہا تھا۔

دفعتاً نوّاب صاحب کا عجیب الخلقت سوتیلا بھائی اُچھلتا ہوا آگیا۔ وہ ان آوازوں کو سُن سُن کر وحشت ناک قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی لیکن اس نے اپنی وضع قطع بالکل شیر خوار بچّوں کی سی بنا رکھی تھی۔ اس

کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی۔ جب وہ اُچھل کود کر تھک جاتا تو شیشی کا دودھ چوسنے لگتا۔ اس کے گلے میں ایک پیڈ بندھا ہوا تھا بالکل ویسا ہی جیسا اکثر صفائی پسند مائیں اپنے بچّوں کے گلے میں اس لیے باندھ دیتی ہیں تاکہ ان کے کپڑے مُنہ سے بہنے والی رال سے محفوظ رہ سکیں۔

"بھائی ٹماشہ ہو لہا ہے۔" وہ تالیاں بجاتا ہوا تتلا تتلا کر بولا۔

"چپ رہو۔۔۔!" نوّاب صاحب چیخ کر بولے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ پھر شیر خوار بچّے کی طرح سہم کر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ایک کمرے میں گھُس گیا۔

آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بالکل سکوت چھا گیا۔ طارق اور نوّاب صاحب حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ پُراسرار شور اب ختم ہو چکا تھا کمروں میں چھپے ہوئے لوگوں میں اب بھی اتنی ہمّت نہیں تھی کہ باہر نکل آتے۔

”کیوں بھائی طارق تمہیں کچھ بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“نوّاب صاحب بولے۔

”تو کیا شور بھی پہلے پہل۔۔۔!“

”ہاں ہاں۔“ نوّاب صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”بالکل پہلے پہل۔ کسی خاندانی روایت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا ہو۔“

”تب تو واقعی حیرت کی بات ہے۔“

”مگر اب کرنا کیا چاہیے۔“نوّاب صاحب نے انتہائی پریشان کُن لہجے میں کہا۔

”کر ہی کیا سکتے ہو۔“ طارق بولا۔ ”مجھے تو یہ آسیبی خلل معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر وہ کنواں۔“نوّاب صاحب نے دبی زبان میں کہا۔

”ایسے معاملات میں سب کچھ ممکن ہے۔“

”تو پھر پولیس کو اِطّلاع کرنی چاہیے۔“نوّاب صاحب ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"پولیس اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہے۔" غزالہ نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ شور ختم ہونے کے چند لمحوں کے بعد وہ انہیں دونوں کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جاؤ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ تم سو جاؤ۔" نوّاب صاحب مُضطربانہ انداز میں بولے۔

"کیا آج کی رات کسی کو نیند آسکتی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ کیوں نہیں۔" طارق نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔ "کوئی ایسی خاص بات نہیں۔"

"اچھا تو تم یہیں غزالہ کے پاس ٹھہرو۔" نوّاب صاحب نے طارق سے کہا۔ "میں تھانے جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کسی اور کو بھیج دیجئے میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" غزالہ نے کہا۔ "آپ بے کار تھانے جا رہے ہیں۔ پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے گی۔"

"طارق ہیں تو تمہارے پاس۔۔۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں ابھی فوراً واپس

آتا ہوں۔"

"تو کسی اور کو بھیج دیجیے نا۔"

"اوہ تم نہیں سمجھتیں میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔" نوّاب صاحب نے کہا اور باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ ابّا جان تھانے کس لیے گئے ہیں۔" غزالہ نے طارق سے کہا۔

"کوئی بات نہیں تم جا کر سو جاؤ۔" طارق نے کہا۔

"اگر کل بھی یہی ہوا تو کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو تم اپنے کمرے میں چلو۔"

وہ غزالہ کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اس کا نیولا اب اس کے کاندھے پر بیٹھا اپنی چمکیلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”اب تم لیٹ کر سو جاؤ۔۔۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔“ طارق اسے اس کے پلنگ پر بٹھا کر خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”نیند نہیں آئے گی۔“ غزالہ نے کہا۔

”آئے گی کیسے نہیں۔۔۔ میں ابھی تمہیں سُلائے دیتا ہوں۔“

غزالہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ڈرو نہیں۔“ طارق ہنس کر بولا۔ ”میں تمہیں ہپناٹزم کے ذریعے سُلا دوں گا۔“

”اوہ تو کیا آپ ہپنٹائز کر سکتے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ لیٹ جاؤ ہاں اس طرح ٹھیک۔ میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھو سو جاؤ۔۔۔ تم سوتی جا رہی ہو، تمہیں نیند آ رہی ہے۔ تمہاری آنکھیں

بند ہو رہی ہیں۔"

غزالہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آنکھوں سے برقی لہریں نکل کر اس کے جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ ذہن سست ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ پلکیں بوجھل۔۔۔ تاریکی۔۔۔ اور اب اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔ "تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔" اور آہستہ آہستہ آواز آنی بند ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

طارق تھوڑی دیر تک بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُٹھ کر باہر چلا آیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں اُبھری ہوئی تھیں آنکھوں کی کوروں کے قریب کنپٹیوں پر پڑی ہوئی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

کمروں میں گھُسے ہوئے لوگ اس طرح سرگوشیاں کر رہے تھے جیسے وہ تہہ خانوں میں دُبکے ہوئے متوقع بمباری کا انتظار کر رہے ہوں۔ طارق پھر پائیں باغ

میں آ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کنوئیں قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پُر اسرار مُسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نوّاب صاحب ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ کنوئیں میں کئی ٹارچوں کی روشنی بیک وقت پڑی اور نوّاب صاحب کے منہ سے حیرت سے چیخ نکل گئی۔ سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''تو کیا سچ مچ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' نوّاب صاحب اس طرح بولے جیسے وہ خواب میں بڑبڑا رہے ہوں۔

''آپ نے تو کہا تھا۔'' سب انسپکٹر بولا۔

''ہاں میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔'' نوّاب صاحب بے چارگی کے ساتھ بولے۔

"اور آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا اور نوّاب صاحب کے چہرے پر جھلّاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آپ نے تو فرمایا تھا عورت کی لاش۔۔۔!" سب انسپکٹر نے کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" نوّاب صاحب بولے۔ "صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے ایک مہمان نے بھی دیکھی تھی۔"

اتنی دیر میں دو تین نوکر بھی آ گئے تھے، لاش کا تذکرہ سن کر بُری طرح کانپنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں کئی عجیب و غریب باتوں سے واسطہ پڑا تھا۔

"ذرا طارق صاحب کو بلاؤ۔" نوّاب صاحب نے ایک نوکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

طارق کو دیکھ کر سب انسپکٹر نے عجیب سا منہ بنایا۔ طارق سے زیادہ وہ اس کے سیاہ نیولے کو گھور رہا تھا جو ابھی تک طارق کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ نے بھی عورت کی لاش دیکھی تھی۔" نوّاب صاحب نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کو کیا بیان دوں۔" طارق نے انسپکٹر سے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟"

"اس لیے کہ میں نے نوّاب صاحب کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس کنوئیں میں جھانکا تھا اس بار میں نے عورت کے بجائے مرد کی لاش دیکھی۔"

"ارے۔۔۔!" نوّاب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی ہاں۔"

"اور اب وہاں کچھ بھی نہیں۔" نوّاب صاحب نے بے تابی سے کنوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔!“ طارق نے کہا اور کنوئیں کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔

طارق نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور سب لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

”غزالہ تمہیں پہلے ہی منع کر رہی تھی۔“ طارق بولا۔ ”بھلا آسیبی معاملات میں پولیس کیا کر سکتی ہے۔“

”کیا اسی کنوئیں سے چنگاریاں بھی نکلیں تھیں۔“ سب انسپکٹر نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔!“

”تب تو یہ کھُلا ہوا معاملہ ہے۔ ہم لوگ بھلا اس میں کیا کر سکیں گے۔ اور کچھ آواز کا بھی تو آپ نے تذکرہ کیا تھا۔“

”جی ہاں۔۔۔ وہ کوٹھی کے اندر سُنائی دی تھیں۔“ طارق بولا۔

”شاید میں آپ سے پہلی بار شرفِ ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔“ سب انسپکٹر نے

اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے کہا۔

”میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔“

سب انسپکٹر اب تک نیولے کو گھورے جا رہا تھا۔

”یہ میرا پالتو نیولا ہے۔“

”بہت ہی عجیب و غریب ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اچھا تو نوّاب صاحب اب اجازت چاہوں گا۔“

”کیا بتاؤں بھئی میں نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔“ نوّاب صاحب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں، البتّہ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“

پولیس والے نوّاب صاحب کی کار پر رُخصت کر دیئے گئے۔

نوّاب صاحب، طارق اور چند نوکر ابھی تک کنوئیں کے پاس کھڑے ہوئے تھے چونکہ لاش کے متعلّق باتیں نوکروں کے سامنے ہوئی تھیں۔ اس لیے چند ہی لمحوں میں یہ خبر ساری کوٹھی میں پھیل گئی۔

"بھائی طارق۔۔۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔" نوّاب صاحب نے کہا۔

"میں خود حیرت میں ہوں۔" طارق نے کہا۔ اس کی آنکھوں کی پُر اسرار چمک دفعتاً پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"ایک بار میں بھی مصر میں ایسے ہی حادثات سے دوچار ہوا ہوں۔" طارق پھر بولا۔ "اگر واقعی یہ آسیبی ہی معاملہ ہے تو اس سے کِس طرح گلو خلاصی حاصل ہو سکے گی۔"

"نہایت آسانی سے۔" طارق بولا۔ "کیا آپ کو کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا، جو بد ارواح کو بھگانے کا عمل جانتا ہو۔"

نوّاب صاحب کچھ سوچنے لگے۔

”سخت اُلجھن میں ہوں۔“ نوّاب صاحب بولے۔ ”بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں ہوں مگر واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ کچھ کہنے سُننے نہیں بن پڑتی۔“

”نہیں آپ کا ان چیزوں کا قائل ہونا چاہیے کیونکہ بد ارواح کا وجود ہے۔“ طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اُتارتے ہوئے کہا۔

چالیس سال کا بچہ

اس رات کے بعد سے نوّاب صاحب کی کوٹھی میں روزانہ نئی وارداتیں ہونے لگیں۔ تقریباً ہر رات کو کنوئیں سے چنگاریاں نکلا کرتی تھیں اور جانوروں کی بھیانک آوازوں سے کوٹھی کا چپّہ چپّہ گونج اُٹھتا تھا۔ نوّاب صاحب کے سوتیلے بھائی پرویز کی حالت اس وقت قابلِ دید ہوتی تھی جیسے ہی جانوروں کی آوازیں سُنائی دیتیں وہ اُچھل کود مچا دیتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی اُن چیخنے والے جانوروں میں سے کوئی ایک ہے۔ طارق کا خیال تھا کہ پرویز بھی کسی بہت بڑے جِن کا سایہ ہے۔ بعض اوقات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پرویز ہی ان

ساری مصیبتوں کی وجہ ہے۔ لیکن نوّاب صاحب اس طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ ہر چند کہ پرویز ان کا سوتیلا بھائی تھا لیکن وہ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ واقعی انہیں کا دِل گردہ تھا کہ وہ ایک پاگل آدمی کی جا بے جا خواہشات کا بھی احترام کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اُسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے تین پہلوان ملازم رکھے گئے تھے جو اُسے گود میں اُٹھائے پھرا کرتے تھے۔ وہ شروع ہی سے ایسا نہ تھا بلکہ آج سے آٹھ سال قبل اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ایک بار وہ چھت سے گر پڑا۔۔۔ سر میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ اچھّے ہو جانے پر بھی دماغی توازن ٹھیک نہ ہو سکا۔ صحت یاب ہو جانے کے بعد ایک عرصہ تک وہ بولا ہی نہیں، بس کبھی کبھی نوزائیدہ بچے کی طرح صرف غوں غاں کر لیا کرتا تھا۔ جس طرح بچّے آہستہ آہستہ بولنا سیکھتے ہیں اسی طرح پھر سے وہ بھی بولنا سیکھ رہا تھا۔ اب تقریباً آٹھ سال گذر جانے کے بعد وہ اس قابل ہوا تھا کہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں تتلا تتلا کر دوسروں کو اپنی باتیں سمجھا سکتا تھا۔ نوّاب رشید الزّماں نے اس کے علاج میں

کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ لیکن اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہوئی۔

پہلے حادثات کے بعد ہی دِن بھر پرویز رات کی باتیں رٹتا رہتا تھا۔ وہ ہر کس و ناکس کا ہاتھ پکڑ کر بچّوں کی طرح ان واقعات کو دہراتا۔ دوسری رات جب اس نے کنوئیں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں اس وقت اس کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی بچّے کی آتش بازی دیکھ کر ہوتی ہے اور پھر تو وہ ان تماشوں کے انتظار میں کافی رات گئے تک جاگتا رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر تھی وہ یہ کہ وہ طارق اور اس کے نیولے سے بُری طرح خائف رہا کرتا تھا۔ طارق کے سامنے وہ اسی طرح دم سادھ لیتا تھا جیسے کوئی نٹ کھٹ بچّہ کسی بہت ہی غصّہ ور بزرگ کے سامنے بھیگی بلّی بن جاتا ہے۔ اس کے اس رویّہ کو بہت ہی تعجّب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ محض اس بناء پر گھر کے بہتیرے نوکروں کا خیال تھا کہ طارق ہی ان سب مصیبتوں کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے اپنے خیال کے مطابق پاگل اور شیر خوار بچّوں کو بھُوت پریت دکھائی دیتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ ان واقعات کا ظہور اسی دِن سے ہونا شروع ہوا تھا جس دِن سے طارق نے

کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔ وہ طارق کو ایک بہت ہی ناپاک قسم کا جادُوگر سمجھنے لگے تھے جس کے قبضے میں بدروحیں تھیں۔ وہ سب کے سب طارق سے بُری طرح خائف تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے لیکن کوئی بھی کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہ کرپاتا تھا کہ وہ نوّاب صاحب کا معزّز مہمان تھا۔ کس میں ہمّت تھی کہ وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا۔ کوٹھی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلّق قرب وجوار میں کافی شہرت ہوگئی تھی اور نوّاب صاحب کا نوآمدہ مہمان بھی لوگوں کا خاص موضوع بحث بن کر رہ گیا تھا۔

بہتیرے لوگوں نے نوّاب صاحب کو رائے دی کہ وہ فی الحال کوٹھی چھوڑ کر کہیں اور سکونت اختیار کرلیں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ابھی تک جمے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کا استقلال، زیادہ دِنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ہوا یہ کہ اچانک ایک دِن اصطبل میں نوّاب صاحب کا ایک بیش قیمت گھوڑا مردہ پایا گیا۔ دوسرے دِن ایک اچھی نسل کا کتّا، تیسرے دِن ایک گائے مرگئی اور پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تقریباً روزانہ

کسی نہ کسی طرح کے پالتو جانور کی لاش ملتی۔ ان واقعات کے بعد کئی نوکر چُپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔ انہیں غالباً یہ ڈر تھا کہ کہیں جانوروں کے بعد آدمیوں کا نمبر نہ آ جائے۔ لیکن نوّاب صاحب کا استقلال ابھی تک قائم تھا اب انہیں بھی قریب قریب یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ کنوئیں کے اندر پائی جانے والی لاش کے متعلّق انہوں نے بعد میں یہ سوچ کر تسلّی دے لی تھی کہ شاید وہ نظر کا دھوکا ہو لیکن جانوروں کی سلسلہ وار موتیں کسی طرح نظر انداز نہ کی جا سکیں۔ اس دوران میں بہتیرے عالموں اور سادھو مہاتماؤں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کسی طرح کوٹھی پر قبضہ کر لینے والی بد ارواح کو بھگائیں، لیکن اُن میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ طارق ابھی تک اُن کا مہمان تھا۔ اس کی پُر اسرار شخصیت کی بناء پر نوّاب صاحب کو بھی اس پر کچھ کچھ شُبہ ہونے لگا تھا لیکن وہ اس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ان کی دِلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چلا جائے لیکن وہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اکثر وہ نوّاب صاحب سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ نوّاب صاحب ان

مصیبتوں سے گلو خاصی نہ حاصل نہ کر لیں گے۔ نوّاب صاحب نے دو ایک بار دبی زبان سے کہا بھی تھا کہ محض اس کی وجہ سے وہ تکلیف نہ اُٹھائے لیکن طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع میں غزالہ کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ لیکن عاملوں اور سادھوؤں کے تھک ہار جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسانی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس نے نوّاب صاحب سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور بہت دیر تک اس کے امکانات پر بحث کرتی رہی لیکن نوّاب صاحب نے اس کی باتیں ہنسی میں اڑا دیں۔

"آخر یہ چیزیں انسانی سازش کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہیں۔" نوّاب صاحب بولے۔

"ایسے بہتیرے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جنہیں مافوق الفطرت سمجھا گیا لیکن بعد کو ان میں انسانی ہاتھ نظر آیا۔"

"وہ اور واقعات ہوں گے۔۔۔ بھلا کوئی انسان در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں

کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔"

"فی الحال میں اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" نوّاب صاحب بولے۔

"میرا اشارہ اس کی طرف نہیں۔" غزالہ نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ وہی اس ساری مصیبتوں کا باعث ہو۔ ہمیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ وہ رہنے والا کہاں کا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کئی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ میں نے اس کا ہپنٹائز والا واقعہ آپ سے بتایا تھا۔"

"کسی کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہونا درست نہیں۔" نوّاب صاحب بولے۔

"آپ بدگمانی کہہ رہے ہیں۔" غزالہ بولی۔ "مجھے سو فیصدی یقین ہے۔"

نوّاب صاحب خاموش ہو گئے۔

”میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اس معاملہ میں فریدی صاحب کی مدد حاصل کی جائے۔“

نوّاب صاحب کے کملائے ہوئے چہرے پر یک بیک شگفتگی آ گئی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس پر نااُمّیدی کی گرد آلود تہیں چڑھ گئیں۔

”بھلا فریدی اس معاملہ میں کیا کر سکے گا۔“نوّاب صاحب نے کہا۔

”خواہ مخواہ اسے بلانے سے کیا فائدہ۔“

”اگر وہ کچھ نہ کر سکے تو کم از کم کوئی معقول رائے ہی دے سکیں گے۔“

”مگر وہ آنے ہی کیوں لگا۔“

”آئیں گے کیوں نہیں۔۔۔ میں نے سُنا ہے کہ آج کل وہ اور اُن کا اسسٹنٹ تین ماہ کی چھٹّی پر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سے استدعا کروں گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔“

”خیر کوشش کرو اگر آ جائے تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہ کر سکے گا۔“

”خیر اگر کچھ نہ ہو سکا تو کم از کم اتنا ہی ہو جائے گا کہ اگر اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے تو وہ کچھ دِنوں کے لیے اپنی حرکتیں شاید چھوڑ ہی دے۔“

”آدمی کا ہاتھ۔“نوّاب صاحب تنگ آ کر بولے۔”بھلا کوئی آدمی در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں کیسے نکال سکتا ہے۔۔۔ اور پھر یہ کہ آئے دِن جانوروں کی موت کیا معنی رکھتی ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن مجھے سو فیصد اُمّید ہے کہ فریدی صاحب اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالیں گے۔“

نوّاب صاحب خاموش ہو گئے۔

تاریک رات اپنے سیاہ پر پھیلائے آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف تیر رہی تھی۔ تقریباً دو بج چکے تھے۔ آج بھی حسب دستور کنوئیں سے چنگاریاں

نکلیں تھیں اور جانوروں کی آوازیں بھی سُنائی دی تھی لیکن اس کوٹھی کے لوگ کچھ اس طرح ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے جیسے یہ ان کے لیے کوئی بات ہی نہ ہو، ویسے ان کے دِلوں کو ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کہ دیکھیں صُبح کسی جانور کی لاش سے سابقہ پڑتا ہے یا آدمی کی لاش سے۔

نوّاب صاحب غزالہ کے کمرے سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ غزالہ نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آسکی۔ آخر کار وہ تھک ہار کر کھڑکی کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ کمرے کی خاموش فضا میں نیلے رنگ کی بوجھل روشنی کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ غزالہ جس کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اس کا رُخ باغ کی طرف تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے دفعتاً چونک پڑی۔ ایک تاریک سایہ آہستہ آہستہ کنوئیں کی طرف رینگ رہا تھا۔ غزالہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شور کر کے گھر والوں کو جگا دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی۔ وہ انسانی سایہ کنوئیں کے قریب جا کر رُک گیا۔ اس نے اپنے کاندھے سے کوئی چیز اُتاری اور کنوئیں کی جگت کے قریب جا کر رُک گیا۔

کنوئیں کی جگت کے قریب اُگے ہوئے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
پھر اس نے کوئی چیز کنوئیں میں پھینکی۔ اب وہ کنوئیں میں سر لٹکائے کچھ دیکھ رہا
تھا۔ دفعتاً ٹارچ کی روشنی میں وہ کچھ دیکھنے لگا۔ قریب تھا کہ غزالہ کے منہ سے چیخ
نکل جائے لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اُسے اس
پُراسرار آدمی کے چہرے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ یہ طارق کے علاوہ اور
کوئی نہ تھا۔ وہ شاید درخت کے تنے سے رسی باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں
میں اترنے جارہا تھا۔ غزالہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا
جیسے اس کا حلق بند ہو گیا ہو، اور اب وہ کبھی نہ بول سکے گی۔ طارق کنوئیں میں اتر
گیا۔ غزالہ محسوس کر رہی تھی جیسے اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہو رہی ہے۔
اسے طارق کی خوفناک آنکھیں یاد آگئیں اور اس وقت وہ کتنی بھیانک ہو گئی تھی
جب وہ اسے عملِ تنویم کے ذریعہ سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ کی آنکھیں
بوجھل ہونے لگیں۔ ایک عجیب طرح کی سنسناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں
دوڑتی محسوس ہونے لگی، جسم میں جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ

وہیں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری نیند سوگئی۔ نہ جانے وہ کب تک اسی حال میں سوتی رہی۔ دفعتاً شور کی آواز سُن کر وہ جاگ اٹھی۔ صُبح ہو گئی تھی، لیکن سورج ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ مشرقی اُفق میں سرخیاں پھوٹ چلی تھیں۔ شور کی آواز باغ کی طرف سے آرہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ کنوئیں کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ غزالہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئی ہو گی کہ اس نے دیکھا دو نوکر پرویز کو اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف لا رہے تھے ان کے پیچھے نوّاب صاحب اور طارق تھے۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" غزالہ بے اختیار بولی۔

"نہ جانے کب سے کنوئیں کے قریب بے ہوش پڑا تھا۔۔۔!" نوّاب صاحب گھبراہٹ کے لہجے میں بولے۔

دفعتاً غزالہ کو رات کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ بے اختیاری میں کچھ کہنے والی تھی کہ طارق نے اپنی جھکی ہوئی آنکھیں اُوپر اٹھائیں۔

غزالہ لرز گئی۔ طارق نے آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی زبان پکڑ لی ہو۔ اس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا احساس قریب قریب سب کو ہو گیا۔

گھبراؤ نہیں۔۔۔ ابھی یہ ہوش میں آ جائے گا۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔ طارق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ یک بیک اس کے جسم کی تھرتھری ہٹ گئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پتھّر کے بُت کی طرح ساکت ہو گئی ہو۔ حتّٰی کہ اسے اپنے دِل کی دھڑکن پر بھی شُبہ ہونے لگا کہ کہیں اچانک بند تو نہیں ہو گئی۔ وہ شانہ جس پر طارق نے ہاتھ رکھا تھا بالکل سُن ہو کر رہ گیا تھا۔

طارق کے کاندھے پر اس کا عجیب و غریب نیولا بیٹھا ایک اخروٹ کتر رہا تھا۔

پرویز کو ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں ضرور آ گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ فوراً ہی

ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے اطمینان دِلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ چند معمولی تدابیر اختیار کرنے پر وہ بولنے کے قابل ہو گیا۔

”پرویز میاں۔۔۔!“ نوّاب صاحب بولے۔ ”تم کنوئیں کے پاس کیوں گئے تھے۔“

”تتلی پکلنے۔۔۔!“ پرویز تتلا کر بولا۔ ”اس کے پلو میں چاند ستارے ٹکے ہوئے تھے۔“

”یااللہ !اس کے حال پر رحم کر۔“نوّاب صاحب آبدیدہ ہو کر بولے۔

”منگا دیجیے بھائی جان میلی تتلی۔“ پرویز بچّوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

”ہاں ہاں منگا دیں گے۔“ طارق مُسکرا کر بولا۔ ”تم چُپ چاپ لیٹے رہو۔“

طارق کی آواز سُن کر غزالہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نفرت کے بجائے خوف جھانک رہا تھا۔اس نے انتہائی کوشش کی کہ وہ رات کا واقعہ بیان کر دے لیکن ہمّت نہ پڑی۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پُر

اسرار طاقت تھی جو ہر بار اس کی زبان روک دیتی تھی۔

ابھی تک سب پرویز کے صوفے کے گرد کھڑے تھے۔

"میلی دودھ پینے کی چھی چھی۔" پرویز اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی منگوائے دیتا ہوں۔" نوّاب صاحب بولے۔

پرویز کی دودھ پینے کی کوشش کنوئیں کی جگت کے قریب ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔

"تم کس وقت وہاں گئے تھے۔" طارق نے پرویز سے پوچھا۔

"جب تالی بلّی پر اونٹ بیٹھا پانی پی لہا تھا۔" پرویز نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے رات انہیں خبیث ارواح نے گھیرا تھا۔" طارق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اے گجالا اسے یہاں سے ہٹادو۔" پرویز نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے غزالہ سے کہا۔ "نہیں تو یہ مال ڈالے گا۔"

غزالہ کے رہے سہے شبہات بھی پرویز کے اس جملے پر رفع ہو گئے اور اسے پورا یقین ہو گیا کہ ان شیطانی حرکتوں میں طارق کا ہاتھ ہے جس طرح وہ ایک اَن جانے خوف کے ماتحت اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح شاید پرویز بھی ڈرتا ہے۔

اسی دِن شام کو غزالہ کچھ ایسے انتظامات میں مشغول نظر آئی جیسے اُسے سفر کرنا ہے۔ نوّاب صاحب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے ماموں کے یہاں شہر جا رہی ہے۔ نوّاب صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ وہ کچھ دِن کے لیے کسی عزیز کے یہاں چلی جائے، انہوں نے اس سے کہا بھی تھا لیکن وہ اس پر تیّار نہ تھی۔

غزالہ سات بجے شام کی گاڑی سے شہر روانہ ہو گئی۔

روانگی

غزالہ اسٹیشن سے ٹیکسی کر کے فریدی کے گھر پہنچی۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سارجنٹ حمید ریڈیو پر پکّے گانے سُن رہا تھا۔ غزالہ کو دیکھ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا اور گھبراہٹ میں اس نے اُس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ آخر وہ خود ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" غزالہ نے پوچھا۔

"کہیں گئے ہیں۔"

”شہر سے باہر۔“

”جی نہیں۔“

”کب تک لوٹیں گے۔“

”یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔“

”خیر میں ان کا انتظار کروں گی۔“

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

”آپ نے ریڈیو کیوں بند کر دیا۔“ غزالہ مُسکرا کر بولی۔ ”آپ کو پکّے گانوں سے بڑی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔“

”ہاں کچھ یوں ہی سہی۔“ حمید نے دوبارہ ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے کہا۔ ”کیا فریدی صاحب آج کل چھٹّی پر ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔!“

”اور آپ بھی۔“

”جی۔۔۔!“

پھر خاموشی چھاگئی۔ تھوڑی دیر بعد حمید اٹھا۔

”تو آپ بھی کہیں جارہے ہیں۔“

”ذرا چائے کے لیے کہہ دوں۔“

'”اوہ تکلیف نہ کیجئے۔“

”تکلیف کی کوئی بات نہیں۔“

حمید کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے میز پر رکھی ہوئی کتابیں اُلٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔ وہ اس وقت فریدی کی لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں لگی ہوئی تھی۔ لائبریری کا کمرہ فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل

تھی۔ غزالہ جس میز کی کتابیں دیکھ رہی تھی وہ اسی دیوار سے ملی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے ریک میں لگی ہوئی کتابوں سے ایک کتاب اٹھائی اُسے دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ دکھائی دیا اور ساتھ ہی سانپ کے پھپھکارنے کی آواز آئی۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پھر سُنائی دی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آواز دوسرے کمرے سے اس سوراخ کے ذریعے آرہی ہے۔ اس نے کتابیں ہٹا کر بے اختیار اپنی آنکھیں سوراخ سے لگا دیں۔ دوسرے کمرے میں ایک بہت زیادہ طاقت والا بلب روشن تھا۔ پھنکار کی آواز سُنائی دی اور غزالہ بے اختیار چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بڑا سا کالا سانپ زمین پر بچھے ہوئے قالین پر رینگ رہا تھا۔

"حمید صاحب، حمید صاحب۔" وہ بے اختیار چیخنے لگی۔

"کیا بات ہے۔" حمید کمرے میں بے تحاشہ داخل ہو کر بولا۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔ کمرے میں سانپ۔" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

”میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔“ غزالہ سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

”تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔“ حمید مُسکرا کر بولا۔

غزالہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

”وہاں ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔“

”جی۔۔۔!“ غزالہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔

”جی ہاں، وہ فریدی صاحب کا عجائب خانہ ہے۔ اتّفاق سے اس وقت اس کمرے کی کنجی انہیں کے پاس ہے ورنہ میں آپ کو وہاں کی سیر کراتا۔“

”کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں۔“

”جی ہاں سینکڑوں کی تعداد میں۔“

غزالہ خاموش ہو گئی۔ فریدی کی شخصیت اُسے طارق کی شخصیت سے بھی عجیب

معلوم ہونے لگی۔ جو اپنے کاندھے پر نیولا اٹھائے پھرتا ہے۔

"فریدی صاحب ساڑھے نو بجے تک واپس آجائیں گے کیونکہ یہ ان سانپوں کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔"

"دودھ کون پلاتا ہے۔" غزالہ نے پوچھا۔

"خود فریدی صاحب۔"

غزالہ اسے پھر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں، جیسے جیسے اِن کے کھانے کا وقت قریب آتا جائے گا ویسے ویسے ان کی دھما چوکڑی بڑھتی جائے گی۔" حمید نے دیوار کے سوراخ کو کتابوں سے ڈھانکتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چائے آگئی۔

”آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔“ غزالہ بولی۔

”تکلیف۔۔۔!“ حمید مُسکرا کر بولا۔ ”آپ بھی کمال کرتی ہیں۔“

اس نے چائے بنا کر غزالہ کے آگے بڑھا دی۔

بر آمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر سنّاٹا چھا گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اس کی محبوبہ شہناز دروازہ میں کھڑی غزالہ کو گھور رہی تھی۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”آؤ۔۔۔ آؤ۔“

شہناز اندر آ کر بیٹھ گئی۔

”چائے۔۔۔!“ حمید نے اس کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں میں پی کر آئی ہوں۔“ شہناز نے خشک لہجے میں کہا۔

”آپ سے ملیے آپ غزالہ خانم ہیں۔ آپ شہناز بانو۔“

شہناز اور غزالہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے دو چار رسمی جملے دہرائے اور پھر خاموشی سے ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔

"بھئی چائے تو ہر وقت پی جا سکتی ہے۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"ضروری نہیں کہ میں بھی آپ کے اصول پر عمل کروں۔۔۔!" شہناز نے اس انداز میں کہا کہ حمید جھینپ گیا۔ اب اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر شہناز غزالہ کو دیکھ کر کسی شُبہ میں مبتلا ہو گئی ہے ایسی صورت میں اسے چھیڑنا یقیناً خطرناک بات تھی۔

"آپ فریدی صاحب سے ملنے آئی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوں۔۔۔!"

حمید کے اس جملے پر غزالہ سمجھ گئی کہ حمید شہناز کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ خود بھی فریدی کے متعلّق گفتگو کرنے لگی۔

"معلوم نہیں فریدی صاحب کب آئیں گے۔ ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔"

غزالہ بولی۔ شہناز اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی انگریزی سروں میں سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے غزالہ خانم خیریت۔" فریدی نے دروازے میں رُک کر کہا۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

"کب آئیں۔" فریدی نے غزالہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اسٹیشن سے اُتر کر سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔"

"اور حمید صاحب آپ کو محض چائے پر ٹال رہے ہیں۔ بیٹھیے بیٹھیے۔"

پھر حمید کی طرف مُڑ کر بولا۔ "ارے بھئی کھانے کے لیے کہو۔"

"نہیں نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے ایک عزیز کے یہاں جانا

ہے۔"

"عزیز تو میں بھی ہوں۔ کیا نوّاب صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"بتایا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔!" فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حمید۔۔۔!"

"خیر کھالوں گی۔۔۔ لیکن پہلے وہ کام ہونا چاہیے جس کے لیے میں آئی ہوں۔"

"کیا بات ہے کوئی خاص پریشانی۔۔۔"

"جی ہاں۔"

"بیان کیجئے۔"

"میں۔۔۔ ہاں۔۔۔ جی۔۔۔ ابھی آپ کہیں سے تھکے ہوئے آرہے ہیں۔۔۔ ذرا

آرام کر لیجئے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ وہ شہناز کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتی ہے۔

"آیئے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔۔۔!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غزالہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"انہیں عجائب خانہ ضرور دکھایئے گا۔۔ ابھی آپ کی لائبریری سے ایک سانپ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔" حمید نے کہا۔

"اچھا۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "خیر آیئے۔" دونوں ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔

"تم کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"نہیں تو۔۔۔!"

"پھر چائے کیوں نہیں پی۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔"

”یقیناً چائے اچھی ہے تم پی کر تو دیکھو۔“

”چھوڑیئے۔۔۔ آپ تو خواہ مخواہ جملوں کو توڑنے مروڑنے لگتے ہیں۔“ شہناز نے تنگ آکر کہا۔

”لیکن آج تک کسی جملے نے مجھ سے اس کی شکایت نہیں کی۔“

”بس اب چل پڑا چرخہ۔۔۔!“ شہناز منہ بنا کر بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

”اچھا یہ بتایئے کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود بھی کل کیوں نہیں آئے۔“ شہناز نے کہا۔

”یہ فریدی صاحب سے پوچھو، ان کے چکّر میں پڑنے کے بعد اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔“

”آج کل کون سا چکر۔۔۔ چھٹّی پر ہیں نا۔۔۔!“

"جس پر ہر وقت کام کرنے کا بھُوت سوار رہتا ہو اس کے لیے کیسی چھٹّی اور کیسی مشغولیت، غزالہ کا اس وقت آنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"کیوں۔۔۔!"

"کوئی غیر معمولی بات۔"

"تو آپ کو کس بات کی پریشانی ہے۔"

"پریشانی یوں ہے کہ کہیں یہ چھٹیوں کا زمانہ یوں ہی برباد نہ ہو جائے۔ اگر وہ کسی معاملے میں فریدی صاحب سے مدد لینے آئی ہے تو پھر چھٹیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

"یہ غزالہ کون ہے۔"

"داراب نگر کے جاگیر دار نوّاب رشید الزّماں کی لڑکی۔"

پھر خاموش ہو گئی۔

”دراصل میں یہ کہنے آئی ہوں کہ پرسوں میری سالگرہ ہے۔“

”تو کیا کھلاؤ گی مجھے۔“

”لیمن ڈراپس۔۔۔!“ شہناز نے کہا اور ہنسنے لگی۔

”نہیں ہم تو۔۔۔!“ وہ شہناز کے گال کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”آپ شیطان ہیں۔“ شہناز نے آہستہ سے کہا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

”اچھا جی ہم تو شیطان ہیں۔“

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مُسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

”جاؤ نہیں بولتے۔“ حمید نے روٹھ جانے کی ایکٹنگ کی۔

”اس کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے آپ کو۔“ شہناز بولی۔

”گانا آتا ہے۔۔۔ بجانا آتا ہے۔۔۔ مگر شرط یہ ہے ہاتھ میرے سُر دوسرے کا ہو۔ تیرنا آتا ہے فن شہ سواری کا ماہر ہوں۔ بچپن میں خود ہی گھوڑا بن جاتا تھا۔

کھانا پکا نہیں سکتا لیکن کھانا آتا ہے۔ والد بزرگوار اکثر فرماتے ہیں کہ۔۔۔!"

"بس بس۔۔۔!" شہناز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پھر چل پڑا چرخہ۔"

"اچھا اسے جانے دو۔۔۔" حمید سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم پھولوں سے زیادہ حسین ہو۔ کنول سے زیادہ نازک، تمہاری آواز نہیں شہد کی بوند ہے جب تم مُسکراتی ہو تو کلیاں کھل جاتی ہیں، جب چلتی ہو تو قیامت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اور جب نہیں چلتی ہو تو قیامت اپنا ارادہ بدل کر۔۔۔ اوہ وہ۔۔۔ بدل کر۔۔۔ کیا کرنے لگتی ہے۔۔۔ جانتی ہو۔۔۔ تم نہیں جانتیں۔ اچھا میری آنکھوں میں دیکھو۔۔۔ کیا دکھائی دیتا ہے۔"

"کلیوں کا تبسّم، پھولوں کا نکھار۔" شہناز حمید کے لہجے کی نقل کرتی ہوئی بولی۔

"پتوں کی جوانی، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج وغیرہ وغیرہ۔"

"تب تو تم ضرور اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔" حمید مُسکرا کر بولا۔ "میری آنکھوں میں صرف دیدے ہیں۔۔۔ دیدے۔۔۔ کیا سمجھیں۔"

"اپنا سر!" شہناز جھینپ کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کھانے کی اطلاع دی۔

"انسپکٹر صاحب اور مہمان کھانے کی میز پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں تو چلی۔۔۔!" شہناز نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"واہ چائے نہیں پی تو کھانا بھی نہ کھاؤ گی۔" حمید نے کہا۔

کھانے کی میز پر زیادہ تر خاموشی ہی رہی، فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُسے اِس حال میں دیکھ کر حمید کا ماتھا ٹھنکا۔ فریدی کا اس طرح سوچ میں ڈوب جانا ہی خاص موقعوں پر دکھائی دیتا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غزالہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا تو میں چلتی ہوں۔۔۔ اسٹیشن پر تین بجے آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔"

"بہت اچھا۔۔۔!" فریدی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بیٹھ گیا۔ وہ اس

طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ غزالہ کو رُخصت کرنے کے لیے بر آمدے تک بھی نہ گیا۔

حمید اور شہناز اسے پھاٹک تک پہنچا کر لوٹ آئے۔

"تو کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں ایک ضروری کام ہے۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے۔۔۔ میں آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔"

"مگر تم نے اس وقت مدعو کیا جب میں نے ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا۔ پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔"

"موقع ہی کہاں مل سکا۔" شہناز نے کہا اور حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ میرے ساتھ جا رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"واپسی کب تک ہو گی۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

شہناز تھوڑی دیر منہ لٹکائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

حمید کو فریدی پر سخت غصّہ آ رہا تھا۔ وہ شہناز کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

"بھئی بتاؤ اب میں کیا کروں۔" حمید نے شہناز سے کہا۔ شہناز کوئی جواب دیے بغیر سڑک پر ہولی اور حمید لوٹ آیا۔

"ایک بہت دلچسپ کیس۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"مجھے چھٹیوں میں اس قسم کی دلچسپیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"بکو نہیں، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"یہ بات نہیں پیارے۔۔۔ چلو بس مزہ آ جائے گا۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتے

ہوئے بولا۔

حمید خاموش رہا۔

"بھئی تمہارے عشق سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کرے کہ آپ کو بھی کسی سے ہو جائے۔" حمید جل کر بولا۔

"اُسی دِن خود کُشی کر لوں گا برخوردار۔" فریدی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجیے کہ آپ کو عشق ہو گیا۔"

"اُفّوہ اِس قدر عاجز آ گئے ہو مجھ سے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر خیر جا کر اپنا سامان درست کرو۔ ہمیں تین بجے کی گاڑی سے داراب نگر جانا ہے۔"

حمید خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور فریدی نے سگار سلگا کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

لائبریری میں لاش

غزالہ دونوں کا اسٹیشن پر انتظار کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید وقت پر پہنچ گئے۔ ان کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا۔

ٹرین پر غزالہ نے پھر وہی گفتگو چھیڑ دی۔ حمید کو اس بارے میں ابھی تک کچھ بھی معلوم نہیں تھا چونکہ اس کو طوعاً و کرہاً! جانا پڑ رہا تھا اس لیے اس نے اپنی بے تعلّقی ظاہر کرنے کے لیے فریدی سے یہ بھی پوچھنے کی زحمت گورا نہیں کی تھی کہ آخر داراب نگر جانے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ٹرین پر جب اس کا تذکرہ ہونے لگا تو اس کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور وہ خلاف عادت بشاش نظر آنے لگا۔ اس کی

فطرت بھی عجیب تھی۔ کام کے موقعوں پر وہ ہمیشہ ایسی گفتگو کرنے لگتا تھا جیسے وہ انتہائی نکمّا اور کام چور قسم کا آدمی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ جب وہ کسی کام میں لگ جاتا تھا تو اسے پوری پوری ذمّہ داری کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ خطرناک موقعوں پر بظاہر وہ ایک ڈرپوک قسم کا مسخرہ نظر آتا تھا لیکن خود اس کی دل کی گہرائیوں میں خوف کی ایک ننھی سی لہر بھی نہ ہوتی تھی۔

فریدی اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے۔ غزالہ نے طارق اور اس کے عجیب وغریب نیولے کا ذکر چھیڑ رکھا تھا۔ معلوم نہیں کیوں فریدی کی موجودگی میں اسے طارق کی خوفناک آنکھیں نہیں یاد آئیں۔

''میں نے بھی ایسا نیولا آج تک نہیں دیکھا۔'' حمید نے کہا۔

''یقیناً وہ ایک نایاب چیز ہے اور بہتیری غیر معمولی خصوصیات کا حامل بھی۔ برازیل کے قدیم باشندے اسے شاکی کہتے ہیں اور بہت ادب سے اس کا نام لیتے

ہیں کیونکہ وہ ان کا ایک دیوتا ہے۔ ایک خاص تہوار کے موقع پر وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یقیناً طارق کو اسے حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ فریدی سگار کا کش لے کر خاموش ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے آپ اس کے بارے میں طارق سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔

"کیا یہ وہی طارق تو نہیں، جو دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور ٹرین کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی ایسے موقعوں پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا جب

وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔ اس لیے اس نے غزالہ کو اپنی طرف متوجّہ کر لیا۔ وہ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھتا رہا۔

فریدی پھر چونکا۔

”حمید کیا تمہیں دھرم پور کے جنگلوں کے بھُوت یاد نہیں۔“

”یاد ہیں، لیکن یہ معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں۔۔۔!“

”اس لیے کہ ہم یہ سارے واقعات شاید اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ بھلا در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جانوروں کی موتیں۔ کنوئیں سے چنگاریوں کا نکلنا تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

”جانوروں کے بعد اب آدمی کا نمبر آیا ہی چاہتا ہے۔“ فریدی نے سگار کا ایک

طویل کش لے کر کہا۔

غزالہ بے اختیار چونک پڑی۔

"کیا مطلب۔۔۔!"

"گھبرائیے نہیں۔۔۔ آپ بالکل ٹھیک وقت پر میرے پاس پہنچیں۔" فریدی نے کہا۔ "نوّاب صاحب پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ ان کا ذہن بھُوتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ سائنسی دور میں ایک معمولی آدمی بھی اس قسم کے معجزے دکھا سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سائنس کا کرشمہ ہے۔ البتّہ یہ ضرور یقین رکھتی ہوں کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے، جو اپنی پُراسرار قوتوں سے کام لے رہا ہے۔"

"غالباً آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس گفتگو کے بعد پھر خاموشی چھا گئی اور فریدی خلاء میں گھورنے لگا۔ کچھ ملگجا سا سماں تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت انگیز جھونکے صُبح کی آمد کا پیام دے رہے تھے۔ حمید اونگھنے لگا تھا۔ غزالہ کی خوبصورت آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی کے چہرے پر بس تازگی نظر آ رہی تھی۔ جیسے وہ رات بھر سوتے رہنے کے بعد سورج نکلنے سے قبل اُٹھ گیا ہو۔ تھکن کی ایک شکن بھی اس کی پیشانی پر نہ تھی۔ البتّہ اس کی آنکھیں گہرے تفکّر کا پتہ دے رہی تھیں۔

تقریباً چھ بجے وہ لوگ داراب نگر پہنچ گئے۔ کوٹھی کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی غزالہ کا دِل بری طرح دھڑکنے لگا۔ پورٹیکو میں دو تین کانسٹیبل کھڑے تھے اور کچھ اس قسم کی پریشان کُن آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔

غزالہ فریدی اور حمید کو پیچھے چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگی۔

وہ دونوں ٹیکسی پر سے سامان اتروا ہی رہے تھے کہ غزالہ دوڑی ہوئی واپس آئی۔

"لاش، لائبریری میں لاش۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کس کی لاش۔۔۔!" فریدی نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"ابّا جان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی۔"

"اور آخر وہی ہوا۔۔۔ جس کا کھٹکا تھا۔" فریدی نے سامان وہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ غزالہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیز قدموں سے کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

متعدّد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ لائبریری کے برآمدے میں پہنچے۔

یہاں گھر کے سارے نوکر اکٹھا تھے اور دونوں کو آتا دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔

لائبریری میں وہ سب انسپکٹر ایک ہیڈ کانسٹیبل، طارق اور نوّاب صاحب کھڑے تھے۔ کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی کے پاس ایک آدمی اس طرح پڑا تھا جیسے وہ اسی کرسی پر بیٹھے بیٹھے زمیں پر لڑھک گیا ہو۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک

کرسی ہی پر تھا۔

"ارے فریدی میاں۔۔۔!" نوّاب صاحب بے ساختہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "بھئی ٹھیک وقت پر آئے۔"

"یہ واقعہ کب ہوا۔"

"معلوم نہیں۔۔۔ لیکن صُبح مجھے ایک نوکر نے آکر اس کی اطلاع دی۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا بتاؤں کہ میں کن مصیبتوں میں پھنس گیا۔" نوّاب صاحب نے کہا۔

"مجھے غزالہ صاحب کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تو کیا غزالہ تمہارے ہی پاس گئی تھی۔" نوّاب صاحب بولے۔ "اس نے بڑی دانش مندی سے کام لیا۔ میری تو عقل ہی ماری گئی تھی۔"

"آپ کی تعریف۔۔۔!" ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "ارے آپ

انہیں نہیں جانتے۔" نوّاب صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محکمہ سُراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔!" سب انسپکٹر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تب تو پھر ہم لوگوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"آپ لوگ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کوئی زخم نہیں۔۔۔ کوئی نشان نہیں۔ گردن بھی ہم نے بغور دیکھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کیسے واقع ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ذرا میں بھی دیکھ لوں۔" فریدی نے لاش کے قریب جھکتے ہوئے کہا، وہ بڑی دیر تک اپنے محدب شیشے سے لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی نے سب انسپکٹر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی نشان نہیں، آپ نے ابھی تک کسی ڈاکٹر کو نہیں بُلوایا۔"

”آ ہی رہا ہو گا۔“سب انسپکٹر بولا۔

”کیا یہ رات میں باہر بیٹھا کرتا تھا۔“فریدی نے نوّاب صاحب سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ کل ہی میں نے اسے ایک کتاب تلاش کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ کتاب تلاش کر کے اپنے کمرے میں آ گیا ہو گا۔“

”غالباً وہ اس کرسی پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اچانک کوئی خوفناک چیز دیکھ کر دل کی حرکت بند ہو گئی۔“ طارق نے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

”اور وہ خوفناک چیز کیا ہو سکتی ہے۔۔۔!“فریدی نے ایسے لہجے میں کہا کہ طارق گڑبڑا گیا۔

”ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ آپ کو سب حالات معلوم ہو چکے ہیں۔“ طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔

”یہ شاکی آپ کو کہاں سے ملا۔“ فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

”اوہ۔۔۔!“ طارق نے چونک کر کہا۔ ”تو آپ اس کا نام جانتے ہیں۔“

”ان دیوتا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔“

طارق فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

”آپ معائنہ کر سکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہم لوگ دیکھ بھال کر چکے ہیں۔“

ڈاکٹر کافی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

”موت واقع ہوئے تقریباً چار یا پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔“ ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔

”موت کی وجہ۔۔۔!“ فریدی نے پوچھا۔

”اچانک قلب کی حرکت بند ہو گئی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”دیکھا آپ نے۔۔۔!“ طارق بے ساختہ بولا۔ ”کیا دِل کی کسی بیماری میں مبتلا

تھا۔" فریدی نے طارق کی بات کو نظر انداز کر کے نوّاب صاحب سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔اسے عرصہ سے اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔"

"تب تو میرے خیال سے ہمیں واپس ہی چلنا چاہیے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ٹھہریئے۔ابھی شبہات رفع نہیں ہوئے۔" فریدی کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"نوّاب صاحب۔۔۔ کیا یہاں روز رات کو کوئی بیٹھا کرتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں خود بلاناغہ دو تین گھنٹے یہاں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔"

"ٹھیک۔۔۔!" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی کشتی نما ٹوپی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ غالباً!اسی کی ٹوپی ہے۔"

"نہیں میری ہے۔"

"آپ کی۔۔۔!" وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔۔۔ اس میں تعجّب کی کون سی بات ہے۔" نوّاب صاحب حیرت سے بولے۔

"آپ کون سا تیل استعمال کرتے ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" نوّاب صاحب اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جھینپتے ہوئے بولے۔"

"معاف کیجئے گا۔۔۔ ایک بہت ضروری سوال تھا۔" فریدی نے میز پر ٹوپی رکھتے ہوئے کہا۔

وہ بے چین سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے دوسروں کی موجودگی کو قطعی فراموش کر دیا ہو۔

حیرت انگیز انکشافات

فریدی کی آنکھیں دبے ہوئے جوش کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک بار رُک کر اس نے سگار سلگایا اور دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد پھر ٹہلنے لگا۔ کھڑکی کے قریب جا کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور نوّاب رشید الزّماں کے سامنے کھڑا ہو کر انہیں گھورنے لگا۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اتنی رات گئے تک کتاب کیوں ڈھونڈ تا رہا۔ کیا اس کے بارے میں آپ کا کوئی سخت حکم تھا۔“

”بالکل نہیں۔“ نوّاب صاحب بولے۔ ”میں نے اس سے شام کو کہا تھا کہ کسی وقت کتاب ڈھونڈ لے گا۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ رات ہی کو ڈھونڈ لے۔“

”کیا آپ کل حسب دستور یہاں آئے تھے۔“

”نہیں۔۔۔ جب سے یہ واقعات رونما ہونے شروع ہوئے ہیں میں نے رات میں یہاں بیٹھنا قریب قریب ترک کر دیا ہے۔ اگر کبھی آتا بھی ہوں تو دس بجے سے پہلے پہلے اٹھ جاتا ہوں۔“

”کل رات آئے تھے یا نہیں۔“

”کل شام ہی سے میری طبیعت بھاری تھی۔۔۔ اس لیے میں نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔“

”ٹھیک۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور ٹہلنے لگا۔

”آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں، یہ کھلا ہوا آسیبی معاملہ ہے۔“ سب انسپکٹر نے

کہا۔

فریدی نے اسے ہاتھ اُٹھا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

پولیس والے مُسکرا کر رہ گئے۔ صرف حمید اور غزالہ خاموشی کے ساتھ فریدی کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ طارق کے ہونٹوں پر اس کی پُراسرار مُسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

فریدی کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر نوّاب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

”آپ اسی کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔!“

”قریب قریب ہمیشہ۔“

نوّاب صاحب نے سر ہلا دیا۔ وہ فریدی کے اُلٹے سیدھے سوالات سے کچھ

اُکتائے ہوئے سے نظر آرہے تھے۔

"ایک بات اور۔۔۔ کیا آپ پڑھتے وقت ایک بار پانی پینے کے عادی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔!" نوّاب صاحب حیرت سے بولے۔" لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک بار پھر کھڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا۔ اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا اور نوّاب صاحب کے پاس لوٹ گیا۔

"آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ذرا دو منٹ کے لیے اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔" فریدی نے اس کی لاش کے قریب والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نوّاب صاحب حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔

"اُمّید ہے آپ بُرا نہ منائیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔"

نوّاب صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اور اب یہ ٹوپی پہن لیجئے۔" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی ٹوپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ نوّاب صاحب بھی خفیف ہوئے لیکن فریدی کی کڑی نظروں نے طنزیہ انداز میں مُسکراتے ہوئے چہروں پر ایک بار پھر سنجید گی پھیلا دی۔

نوّاب صاحب نے ٹوپی پہن لی۔

"میں ایک منٹ آیا۔" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری کی پشت پر آکر کھڑے ہو گئے۔

"دیکھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑکی سے صرف نوّاب صاحب کی ٹوپی دکھائی دے رہی ہے اور ان کی پیٹھ ہماری طرف ہے اور اس کھڑکی کی اونچائی بھی تم دیکھ رہے ہو۔"

"تو کیا۔۔۔!" حمید کی آنکھوں سے حیرت کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

"تم یہیں ٹھہرو۔۔۔ اور ان کا خیال رکھنا۔" فریدی نے کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ایک ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ان پر کڑی نظر رکھنا کوئی انہیں چھونے نہ پائے۔" فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا۔ نوّاب صاحب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"اب اٹھ جائیے۔۔۔ یہاں کا کام ختم۔" فریدی نے کہا۔

نوّاب صاحب اٹھ گئے۔ ہر ایک کی حیرت زدہ نگاہیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"اب اگر آپ لوگ ایک دلچسپ تماشہ دیکھنا چاہیں تو میرے ساتھ آیئے۔" فریدی ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر بولا۔ "دیوان جی آپ یہیں لاش کے پاس ٹھہریئے۔"

ہیڈ کانسٹیبل کے علاوہ اور سب لوگ فریدی کے ساتھ لائبریری کی پشت پر آ گئے۔ حمید ابھی تک کھڑا ٹھیکروں کی نگرانی کر رہا تھا۔ فریدی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے پیتل کے بڑے سے حلقے میں ایک سفید رنگ کا بھاری بھر کم طوطا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے ایک پیر میں سنہرے رنگ کی ایک سبک سی زنجیر کا دوسرا سِرا حلقے میں لٹکا ہوا تھا۔

"بہت خوبصورت طوطا ہے۔" فریدی نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نوّاب صاحب اس کا منہ دیکھنے لگے۔

”کیا آپ اسے یہاں منگوا سکتے ہیں۔“ فریدی نے نوّاب صاحب سے کہا۔

”کیوں نہیں۔“ نوّاب صاحب نے کہا۔ لیکن ان کی نظروں میں حقارت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی نے اسے محسوس کیا لیکن صرف مُسکرا کر رہ گیا۔

نوّاب صاحب کے اشارے پر ایک نوکر طوطے کو کھڑکی سے اتار لایا۔

فریدی کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ٹھیکروں کی طرف بڑھا۔ ایک بڑا سا ٹھیکرا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اٹھا کر طوطے سے قریب لایا اور اس کی چونچ سے لگا دیا۔ طوطا پانی پینے لگا۔ ابھی وہ پانی پی ہی رہا تھا کہ طارق کا نیولا اچھل کر فریدی کے ہاتھ پر آرہا۔ ٹھیکرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

فریدی نے مُسکرا کر طارق کی طرف دیکھا۔

”مجھے افسوس ہے جناب" طارق نے معذرت کرتے ہوئے نیولے کو پکڑ لیا۔

”کھیل واقعی بڑا دلچسپ ہے۔“نوّاب صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

"دیکھتے جایئے، اصل کھیل تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔" فریدی نے مُسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔!" نوّاب صاحب کا طنزیہ انداز بدستور قائم رہا۔

"ذرا ایک خالی بوتل منگوایئے۔" فریدی نے نوّاب صاحب سے کہا۔

فریدی نے طوطے کا حلقہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تیز نگاہیں طوطے کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"حمید! بقیہ ٹھیکروں کا پانی احتیاط سے اس بوتل میں ڈال لو۔" فریدی نے بوتل نوکر کے ہاتھ سے لے کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہر چند کہ معاملات بہتوں کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ لیکن ہر ایک کی نظر طوطے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ یک بیک طوطے نے پر پھڑ پھڑانے شروع کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے حلقے سے لڑھک کر زنجیر میں جھول گیا۔

"ارے۔۔۔!" نوّاب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انہوں نے جھپٹ

کر حلقہ فریدی کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ارے یہ تو مر گیا۔" نوّاب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

فریدی ان کی بات سنی ان سنی کر کے سب انسپکٹر پولیس کی طرف مڑا۔

"داروغہ جی۔۔۔ آپ سیکرٹری کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ۔۔۔ یہ مردہ طوطا بھی۔"

"تو کیا۔۔۔ تو کیا۔۔۔!" سب انسپکٹر اس کے آگے نہ کہہ سکا۔

"جی ہاں۔۔۔ جس زہر نے طوطے کی جان لی، وہی سیکرٹری کی موت کا بھی باعث ہے۔" فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"زہر۔۔۔!" نوّاب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جناب والا۔۔۔!" فریدی نے قدرے جھکتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی واضح رہے کہ زہر دینے والے کا نشانہ خود آپ تھے۔ وہ تو یہ کہیے سیکرٹری کی قضا آئی تھی۔"

”میں۔۔۔!“نوّاب صاحب چونک کر بولے۔

”جی ہاں۔۔۔!“

”مگر کیسے۔“

”بہت ہی معمولی بات ہے۔ آیئے لائبریری میں چل کر آپ کو سمجھاؤں۔“

فریدی نے طارق کی طرف مُسکراتے ہوئے دیکھا۔

سب لوگ پھر لائبریری میں چلے آئے۔ فریدی کی گفتگو سُن کر غزالہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

”سیکرٹری کی موت کا باعث غالباً آپ کی ٹوپی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔“نوّاب صاحب نے اُکتا کر کہا۔ ”میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔“

”ٹھہریئے۔۔۔ ابھی آپ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کوئی تیل استعمال نہیں کرتے،

لیکن ذرا اس ٹوپی کا اندرونی حصّہ سُونگھیں۔" فریدی نے ٹوپی نوّاب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نوّاب صاحب نے ٹوپی کو لے کر سونگھا اور سر ہلانے لگے۔

"ایسی ہی خوشبو اِس کے سر میں بھی موجود ہے۔" فریدی نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رات پڑھتے وقت شاید اِس نے آپ کی ٹوپی پہن لی تھی۔ میں نے آپ کو یہ ٹوپی پہن کر اِس کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ باہر جا کر دیکھا تو اُدھر سے صرف آپ کا سر نظر آ رہا تھا اور پشت میری طرف تھی۔ زہر دینے والا سمجھا شاید آپ ہی لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ سے پڑھتے وقت بار بار پانی کے متعلّق پوچھا تھا۔۔۔ میرا خیال صحیح نکلا۔ میں اس کھڑکی پر بے شمار دائرے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہاں صراحی رکھی جاتی ہے اور یہ دائرے اس کے بھیگے ہوئے پیندے کے نشانات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتے۔ قاتل شاید آپ کی اس عادت سے واقف تھا۔ اس نے پیچھے ہی سے ہاتھ بڑھا کر یہاں رکھی ہوئی صراحی میں زہر ڈال دیا۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے زہر کتنا زود

اثر ثابت ہوا ہے۔ صرف دو منٹ میں طوطے کی جان نکل گئی۔ آپ کا سیکرٹری بھی غالباً کثرت سے سگریٹ پیتا تھا۔ جیسا کہ میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے سے ظاہر ہوتا ہے اور گرمیوں میں سگریٹ پینے کے بعد پیاس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مرحوم نے صراحی کا پانی پیا اور۔۔۔ پھر تو آپ جانتے ہی ہیں۔۔۔ قاتل بعد میں اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھنے آیا اور جلد میں صراحی کو ہاتھ مار کر نیچے گرا دیا۔ اس کی یہ جلدی اور بوکھلاہٹ کسی غلطی کے اچانک احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صراحی کے ٹوٹنے کی آواز سُن کر قریب کے لوگ جاگ بھی سکتے ہیں۔"

فریدی رُک کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والا اس وقت بھی یہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ جب زہر دینے والے نے باہر سے دیکھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کے متعلّق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میرا اندازہ ہے

جو غَلَط بھی ہو سکتا ہے۔"

"بہر حال نوّاب صاحب کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ایک سیکرٹری کی جان لینے کے لیے اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"اودھم سے کیا مطلب۔۔۔!"نوّاب صاحب بولے۔

"جانوروں کی موتیں، وحشی درندوں کی آوازیں اور آگ اُگلتا ہوا کنواں۔" فریدی نے کہا۔ اور سامنے کی دیوار پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

طارق اپنے نیولے کو کاندھے پر بٹھائے بے تابانہ ٹہل رہا تھا۔

غزالہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عنقریب بے ہوش ہونے والی ہے۔

"داروغہ جی۔۔۔ اس بوتل کو سیل کر دیجئے۔" فریدی نے بوتل حمید کے ہاتھ سے لے کر سب انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"اسی بوتل میں حمید نے ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کا پانی جمع کیا تھا۔"

فریدی نوّاب صاحب کی طرف مڑا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اتنی رات گئے تک وہ لائبریری میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق تقریباً دو ڈھائی بجے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا وہ آپ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات سے خائف نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں رات کو تو کوئی اپنے پلنگ سے اٹھنے کی ہمّت بھی نہیں کر سکتا ہو گا۔"

"تمہارا خیال قطعی درست ہے۔" نوّاب صاحب بولے۔

فریدی پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

غزالہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بتا دے کہ اس نے ایک آدمی کو ایک رات کنوئیں میں اترتے دیکھا تھا۔ لیکن طارق سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس سے آنکھیں ملتے ہی اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ بات فریدی کو بھی نہ بتائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا خیال آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی۔ اس

نے اس وقت طارق کے نیولے کو فریدی کے ہاتھ سے ٹھیکرا گراتے بھی دیکھا تھا۔ اس چیز نے اس کے شبہات کو اور زیادہ تقویت دے دی۔

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً سب انسپکٹر کی طرف مُڑ کر بولا۔

"داروغہ جی میرے خیال سے اب لاش اُٹھوانے کا انتظام کیا جائے۔ بہر حال اب آپ کو دوسری رپورٹ لکھنی پڑے گی۔"

"فریدی صاحب در حقیقت آپ جادُو گر ہیں۔" سب انسپکٹر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

سب انسپکٹر لاش اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لائبریری میں صرف حمید، فریدی اور غزالہ نوّاب صاحب اور طارق رہ گئے۔ فریدی ابھی تک خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔

”آپ کی لائبریری بہت شاندار ہے۔“ وہ نوّاب صاحب کی طرف مُڑ کر بولا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ ناشتہ کب کریں گے۔“ غزالہ نے کہا۔

”ہاں بھئی لو نو بج گئے۔“ نوّاب صاحب نے چونک کر کہا۔

”اگر ناشتہ یہیں منگوالیں تو بہتر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

غزالہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

فریدی ٹہلتا ہوا پھر کھڑکی کے پاس آگیا۔

”یہ کیا تماشہ ہے۔“ وہ باہر دیکھتے ہوئے چونک کر بولا۔

نوّاب صاحب اور حمید کھڑکی کے قریب آ گئے۔ نوّاب صاحب کا سوتیلا بھائی پرویز ایک پہلوان کی گود میں چڑھا ہوا دودھ دانی سے دودھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تتلا تتلا کر کچھ کہتا بھی جا رہا تھا۔

”یہ تماشہ نہیں میری بدنصیبی ہے۔“ نوّاب صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

”کیا مطلب۔۔۔!“

”میرا چھوٹا بھائی پرویز۔۔۔ تقریباً آٹھ سال ہوئے سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی مجھے اس پر فخر تھا۔ آج بھی جب میں اس کی لائبریری میں جاتا ہوں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اتنا قابل اور پڑھا لکھا اور اس کا یہ انجام۔ برلن یونیورسٹی سے اس نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ اب بالکل بچّوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔“

فریدی بڑی توجہ سے سُن رہا تھا۔ اچانک حمید بے اختیار ہنسنے لگا۔ پرویز پہلوان کی گود سے اتر کر ایک تتلی کے پیچھے گھٹنوں کے بل دوڑنے لگا تھا۔

حمید کے اس ہنسنے پر فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نوّاب صاحب کی دل شکنی ہو۔

”آپ نے انہیں کسی سائیکوانیو کلیئسٹ کو بھی دکھایا۔“ فریدی نے نوّاب صاحب سے پوچھا۔

"سب کچھ کر کے تھک ہار گیا ہوں۔"

"واقعی بڑی افسوس ناک بات ہے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد ناشتے کا سامان آ گیا۔ سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ زہر کس نے دیا۔" نوّاب صاحب بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے کہا۔ "لیکن احتیاط ضروری ہے۔ آپ اور غزالہ کافی محتاط رہیے۔۔۔ مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ یہ حملہ آپ ہی پر ہوا تھا۔"

"آخر کیوں۔۔۔ اور وہ کون ہو سکتا ہے۔" نوّاب صاحب بے چینی سے بولے۔

"وہی جس نے یہ سب سوانگ رچایا ہے۔ اس خیال میں نہ رہیے کہ یہ کوئی آسیبی خلل ہے۔ غزالہ نے جس وقت جانوروں کی موت کے متعلّق بتایا تھا اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ اب کسی آدمی کا نمبر آنے والا ہے۔"

نوّاب صاحب حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"جناب والا آپ کا نیولا مجھے بہت پسند ہے۔" فریدی طارق سے بولا۔

"شکریہ۔۔۔!" طارق مُسکرا کر بولا۔

"جس وقت یہ اُچھلا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ضرور اِس پانی میں زہر ملا ہوا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" طارق چونک کر بولا۔

"اس کی اسی خصوصیت پر شداگا قبیلے کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اِس قسم کے خطرات کی بُو سونگھ لینا اس کی ادنیٰ خصوصیت ہے۔"

"کیا آپ کبھی برازیل گئے ہیں۔" طارق بولا۔

"ہاں۔۔۔ ایک زمانے میں مجھے پرانے دفینوں کی تلاش کا خبط تھا۔" فریدی نے کہا۔

”اچھا۔۔۔!“ طارق دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

”اسی سلسلے میں برازیل بھی جانا ہوا تھا۔“ فریدی لاپروائی کے ساتھ بولا۔ ”لیکن افسوس ہے کہ ماناؤز سے سو میل بھی آگے نہ جا سکا۔“

”ماناؤز۔۔۔ ماناؤز۔۔۔!“ طارق بے چینی سے بڑبڑاتا ہوا کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

”ماناؤز سے سو میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف۔۔۔ دریائے ایمیزون کے اتری کنارے پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ۔۔۔ جہاں۔۔۔ مگر یہ سب کیوں بک رہا ہوں۔“

”کوئی ہرج نہیں۔۔۔ میں کافی دلچسپی لے رہا ہوں۔“ طارق نے نیولے کو کاندھے سے اُتار کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔۔۔ کیا آپ کو بھی دفینوں سے دلچسپی ہے۔“

”نہیں کوئی ایسی خاص دلچسپی تو نہیں۔۔۔ البتّہ مجھے سیاحت کا ضرور شوق ہے۔“

طارق نے کہا۔

"خیر یہ شوق بھی برا نہیں۔" فریدی نے نوّاب صاحب کی طرف اچانک مڑتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے مرحوم سیکرٹری کے متعلّق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کس وقت کی معلومات۔۔۔!" نوّاب صاحب نے پوچھا۔

"پہلی بات یہ کہ وہ آپ کے یہاں کتنے دِن سے ملازم تھا۔"

"اس کی پرورش ہی اس گھر میں ہوئی تھی۔"

"اس کا کوئی عزیز۔۔۔!"

"کوئی نہیں۔۔۔ قحط کے زمانے میں خریدا گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کا کوئی دُشمن۔"

”میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی خوش اخلاق اور بے ضرر آدمی تھا۔“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔“

”یہ بتانا دشوار ہے۔“

”آپ نے کون سی کتاب ڈھونڈنے کے لیے اسے بھیجا تھا۔“

”ایک قلمی نسخہ جو اِسی عمارت کے متعلّق تھا۔“

فریدی یک بیک اچھل پڑا۔

”اس عمارت کے متعلّق۔۔۔ کیا آپ نے اسے پڑھا تھا۔“

”ہاں ایک بار دو ایک صفحات پڑھنے کا اتّفاق ہوا تھا۔“

”کوئی خاص بات تھی اس میں۔“

”ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو دو ہی ایک صفحے پڑھ کر کیوں رہ جاتا۔“

"اوہ۔۔۔ خاص بات ضرور تھی۔۔۔ مگر خیر۔۔۔ یہ بتایئے کہ اچانک آپ کو اسے تلاش کرانے کی کونسی ضرورت پیش آ گئی۔" فریدی نے کہا۔ نوّاب صاحب پھر کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

"ان سوالات کا حادثے سے کیا تعلّق۔" نوّاب صاحب نے کہا۔

"بہت بڑا تعلّق ہے۔۔۔ بظاہر میرے سوالات آپ کو قطعی بے ربط اور غیر متعلّق معلوم ہو رہے ہیں لیکن میرا طریقہ کار کچھ اسی قسم کا ہے۔"

"میں نے اس کتاب کا تذکرہ طارق سے یونہی دوران گفتگو میں کیا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اُسے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔" فریدی اچانک طارق کی طرف مُڑ کر بولا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے پرانی عمارتوں سے دلچسپی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا ممکن ہے اس میں کوئی بات میری معلومات میں اضافہ کرنے والی

ہو۔"

"وہ کتنی پرانی رہی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہرو۔۔۔میں ابھی دکھاتا ہوں۔" نوّاب صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بیکار۔۔۔!" فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اب یہاں موجود نہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔!"

"میرا خیال غلط تھا۔" فریدی نے کہا۔ "دراصل وہ کتاب ہی آپ کے سیکرٹری کی موت کا باعث بنی ہے۔"

فریدی طارق کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فریدی کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

”آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کتاب اسی عمارت کے متعلّق تھی۔“ فریدی نے نوّاب صاحب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ اندازاً بھی اس کی تاریخ مجھے نہیں بتا سکتے۔“

”تین سو سال۔۔۔!“

فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ عمارت تو جدید طرز کی ہے۔“

”جس حصّے میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اسے بنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ پرانی عمارت تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ اس کے کچھ کھنڈرات ابھی تک پچھلے حصّے میں باقی ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ تب تو میں سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سیکرٹری کی موت کتاب ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔“

”مگر کیسے۔۔۔؟“ نوّاب صاحب بے چینی سے بولے۔

”اُس کتاب میں اس عمارت کے متعلّق کوئی گہرا راز تحریر تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہی وجہ ہے کہ وہ نڈر ہو کر رات کے اس حصّے میں بھی لائبریری میں بیٹھا رہا جب کہ دوسرے اپنے کمروں سے نکلنے کی بھی ہمّت نہیں کرسکتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اور کون کون موجود تھا جب آپ نے اسے کتاب تلاش کرنے کی ہدایت دی تھی۔“

”غالباً میرے اور طارق کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔“

”ہوں۔۔۔!“ فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ راز کیا ہو سکتا ہے۔“

”وہ راز۔۔۔!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر وہ راز آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ کے گھر میں ہونے والے واقعات آپ کی نظروں میں کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے۔“

”یعنی۔۔۔!“

”ابھی فی الحال میں اس چیز پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن آپ اطمینان رکھیے یہ سب حقیقتاً کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔“

نوّاب صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کی بے چینی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

”چلیے! میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دِکھا دوں۔“ غزالہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔“ نوّاب صاحب بھی اُٹھتے ہوئے بولے۔

”اب یہ سب آپ مجھے سمجھنے دیجیے۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

”مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی اُمّید ہے۔۔۔ خدا ہماری پریشانیاں دور کرے۔“

نوّاب صاحب نے کہا اور باہر چلے گئے۔

خون کی بوچھاڑ

سیکرٹری کی موت کی وجہ سے ساری کوٹھی پر ایک عجیب قسم کا ماتمی سکوت طاری تھا۔ لوگ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے انہیں کسی کے جاگ اُٹھنے کا خوف ہو۔ البتّہ کبھی کبھی پرویز کے بچکانہ قہقہے اس سکوت کو توڑ دیتے تھے۔

نوّاب صاحب دِن بھر لائبریری کی کتابیں اُلٹتے پلٹتے رہے لیکن گُمشدہ کتاب نہ ملی۔ فریدی کے دلائل کی بناء پر وہ مان گئے تھے کہ سیکرٹری کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے لیکن آسیبی خلل والا خیال بدستور ان کے ذہن میں جما ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید بھُوتوں کی آڑ لے کر کوئی سیکرٹری پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اس کی

موت کی وجہ سے انہیں پریشانی ضرور تھی ایک تو یہ کہ وہ ان کے گھر کا پالک تھا اور پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پولیس والے اب آئے دِن خواہ مخواہ آکر ان کا دماغ چاٹیں گے۔

لائبریری سے واپس آنے کے بعد فریدی اور حمید نے اپنے اپنے کمروں میں جا کر لباس تبدیل کیے۔ غزالہ نے ہر چند فریدی سے آرام کرنے کو کہا لیکن اُس نے ٹال دیا اور اس کے ساتھ پرانی عمارت کے کھنڈرات دیکھنے کے لیے چلا گیا تھا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک دونوں وہاں رہے لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ آگ اُگلنے والے پُر اسرار کنوئیں کی طرف آئے۔ فریدی بڑی دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنویں کی گہرائی میں دیکھتا رہا۔ لیکن دِن کے وقت بھی اس میں اتنی تاریکی تھی کہ تہہ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف مُڑ کر بولا۔ "اس میں پانی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

”میں بھی سوچ رہا تھا۔“

”جی ہاں، اس میں پانی نہیں۔“ غزالہ بولی۔

”اور اس کے اندر چھائی ہوئی تاریکی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیر معمولی طور پر گہرا ہے۔“

”اس کی گہرائی کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جا سکا۔“ غزالہ بولی۔

”لیکن میں نے۔۔۔!“

”ہاں کہیے رُک کیوں گئیں۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

”کچھ نہیں۔۔۔!“

”لیکن آپ نے کسی کو اس میں اترتے دیکھا ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”آپ کے جملے کے انداز اور آپ کی گھبراہٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ

نے کسی کو اُترتے دیکھا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے، مجھے خود اپنی اس کمزوری پر بار بار غصّہ آتا ہے لیکن کیا کروں۔"

"تو آپ کسی وجہ سے خائف ہیں۔"

"اور وہ وجہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"عجیب بات ہے۔"

"مجھے دراصل اس کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔۔۔ کیوں؟ یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"اوہ تو شاید آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔"

"تو کیا آپ کو بھی اس کی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔"

"قطعی نہیں۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ وہ سانپ کا زہر بطور نشہ استعمال کرتا ہے۔"

"سانپ کا زہر بطور نشہ۔۔۔!" غزالہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں۔۔۔ یہ کوئی تعجّب خیز بات نہیں۔ چینیوں میں اس کا عام رواج ہے۔"

"تو کیا اسی وجہ سے اس کی آنکھیں اتنی خوفناک ہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو آپ نے اسے کب اس کنوئیں میں اُترتے دیکھا ہے۔"

غزالہ نے اس رات کا واقعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

"آیئے واپس چلیں۔" فریدی نے لوٹنے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں پھر گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ پرویز اُچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی اور دوسرے میں لکڑی کی ایک بندوق۔"

فریدی کو دیکھ کر دودھ کی شیشی اس نے زمین پر پھینک دی اور بندوق تان کر کھڑا ہو گیا۔ "بتاؤ تم نے میلا طوطا کیا کِیا۔۔۔ میلا طوطا منگوا دو نہیں تو گولی۔۔۔

مال دوں گا۔"

"اوہ چچا جان خُدا کے لیے آپ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا کیجئے۔" غزالہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"تو کیوں بولتی ہے۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

پرویز ابھی تک فریدی کے سامنے اپنی لکڑی کی بندوق تانے کھڑا تھا۔ حمید ہنسی کے مارے بے حال ہو رہا تھا۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں آپ کو دوسرا منگوا دوں گا۔"

"اچھا لیکن ویسا ہی ہو۔" پرویز بندوق نیچی کرتے ہوئے بولا۔

"بہت بہتر۔۔۔!"

”نہیں ویسا نہیں ہم لال طوطا لیں گے۔“

”جیسا آپ کہیں گے۔۔۔ویسا ہی منگوا دیا جائے گا۔“

”اچھا اب اندر چلئے۔۔۔!“ غزالہ پرویز کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے کمروں کی طرف آئے، راستہ میں طارق ملا۔

”کہیے انسپکٹر صاحب۔۔۔کوئی خاص بات۔“ طارق بولا۔

”ابھی تک تو خاص بات نہیں ہوئی لیکن جلد ہی کسی خاص بات کا ظہور ہونے والا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اس کنوئیں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔“ فریدی نے اس کی بات اُڑاتے ہوئے دفعتاً پوچھا۔

"کنواں۔۔۔!" طارق چونک کر بولا۔ لیکن پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ "یقیناً یہ ایک بہت پرانا کنواں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کنوئیں میں کوئی دفینہ ہے۔" فریدی آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" طارق لاپروائی سے بولا۔

"مگر اس میں اُترنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں۔" فریدی نے کہا۔

طارق اسے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

"اوہ تو آپ اس میں اُترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی اس کی رائے نہ دوں گا۔"

"کیوں۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

"اس لیے کہ خود میں ایک بار ایسی حماقت کر چکا ہوں۔" طارق نے کہا اور اپنے

نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”میں بتاتا ہوں۔۔۔ ایک رات میں نے اس کنوئیں میں اترنے کی کوشش کی تھی اور۔۔۔!“

”لیکن۔۔۔!“ فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”آپ تو کہتے ہیں کہ یہ آسیبی معاملہ ہے۔ پھر آپ کے دِل میں کنوئیں میں اترنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔“

”یوں ہی محض اپنے تجربات میں اضافہ کرنے کے لیے۔۔۔!“

”خیر ہاں تو پھر۔۔۔!“

”میں زیادہ دور نہیں جاسکا۔“

”کیوں۔۔۔!“

"اس میں کوئی بے شمار سانپ رہتے ہیں۔"

"خیر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔"

"اوہ یہ عجیب بات ہے کہ اُن کے سوراخ کنوئیں کی دیواروں میں ہیں۔"

"اوہ تب تو ان سوراخوں میں پیر رکھ کر نہایت آسانی سے تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

طارق اس طرح مُسکرایا جیسے کوئی بوڑھا آدمی کسی بچّے کی بے تُکی بات پر مُسکراتا ہے۔

"میں نے آپ کی دلیری کی کافی تعریف سُنی ہے۔" طارق نے کہا۔ "لیکن یہ چیز اتنی آسان نہیں۔"

"میں تو آپ کو کبھی اس کنوئیں میں اُترنے نہ دوں گا۔" حمید بولا۔

"آخر تم مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف مُڑ کر بولا۔

"یہی تو میں نے کہا آپ جیسا سمجھدار ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ فریدی کمرے کے دروازے پر رُک کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اندر داخل ہو چکا تھا۔

دفعتاً فریدی کو حمید کی چیخ سنائی دی اور سگار اس کی انگلیوں سے پھسل گیا۔ وہ جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا۔ حمید دیوار کا سہارا لیے حیران آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیا۔۔۔؟" فریدی کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔

حمید خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ دفعتاً وہ چیخ کر کمرے سے باہر بھاگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوٹھی کے سارے لوگ حمید اور فریدی کو اس حال میں دیکھ کر چیخنے لگے۔ فریدی نے حمید کو پھاٹک کے قریب پکڑا۔

”آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔“ فریدی نے کہا۔

”میں ایک منٹ کے لیے۔۔۔ بھی۔۔۔ یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔“ حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

”آخر کیوں۔۔۔؟“

”دیکھئے۔۔۔ یہ خون۔۔۔ کی بوچھاڑ۔۔۔!

”تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔“

حمید نے جس کی سانس پھول رہی تھی نفی میں سر ہلا دیا۔

”پھر کیا ہوا۔“

”میں جیسے۔۔۔ ہی کمرے میں۔۔۔ داخل ہوا۔۔۔ میرے سر پر خون کی تیز بوچھاڑ۔“

”ابے واہ بے گدھے تو اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔“ فریدی نے اپنے

تھیلے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں بزدل ہی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن ایک جاسوس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ بھُوتوں سے کُشتی لڑے۔"

"احمق ہو اچھے خاصے۔" فریدی نے کوٹھی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

راستے میں غزالہ ملی۔۔۔ اس نے بھاگ دوڑ کی وجہ پوچھنی شروع کی۔

"اوپر جانے کا راستہ۔۔۔ جلدی کیجئے۔"

غزالہ بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔ اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا اور فریدی دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔

"ذرا جلدی کیجئے۔۔۔ میرے کمرے کی چھت۔۔۔!"

"ادھر آیئے۔۔۔" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "وہ اُدھر۔۔۔ اس دیوار کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔"

فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چھت کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دور ہٹ کر شیشے کے روشن دان کے قریب اُسے خون کی چھینٹیں دِکھائی دیں۔

فریدی بے تابی سے کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔

"آخر بتایئے بھی تو کیا بات ہے۔" غزالہ بے چینی کے ساتھ بولی۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اسے سارا واقعہ بتایا۔

"افسوس کہ حمید کی حماقت سے وہ بھُوت نکل گیا۔۔۔ ورنہ۔۔۔!"

"کیا مطلب۔۔۔!"

"ذرا یہ خون کی چھینٹیں دیکھیے۔" فریدی نے روشن دان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شیشے کو اُٹھا کر پچکاری کے ذریعے خون پھینک دینا کونسی بڑی بات ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" غزالہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "شروع ہی سے میں ان

سب حرکتوں کو کسی آدمی کی جدّت سمجھ رہی ہوں۔"

"اور وہ آدمی۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

"میں اپنے شبہے کا اظہار پہلے ہی کر چکی ہوں۔"

"فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

دونوں نیچے اُتر آئے۔ حمید ابھی تک اسی حالت میں لوگوں کے مجمع میں گھِرا ہوا کھڑا تھا۔

"جاؤ جا کر غسل خانہ میں کپڑے تبدیل کرو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گیا۔

آوازوں کا راز

حمید والے واقعے کے بعد فریدی اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں مشغول تھا۔ اُنگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بُجھ گیا تھا۔ سگار میں لگی ہوئی راکھ اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ دیر سے اس نے لٹکے ہوئے ہاتھ کو جنبش بھی نہیں دی ورنہ راکھ ضرور گر گئی ہوتی۔

وہ دفعتاً چونک پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

غزالہ کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال کچھ اور زیادہ اُبھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے در پے صُبحیں طلوع ہو رہی تھیں اور گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خوشگوار سی شامیں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے۔" غزالہ کی مترنّم آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نشہ سا دوڑا دیا۔ اس کے لہجے میں کیا تھا۔ ماما تھی۔ شکایت تھی۔۔۔ تقاضا تھا۔۔۔ سپردگی تھی۔۔۔ اور نہ جانے کیا کیا۔ فریدی غیر شعوری طور پر مُسکرا پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دہکتے ہوئے رخساروں کی آنچ میں گل گیا ہو۔ اسے اپنی ہستی ایک لہریں لیتی ہوئی جھیل معلوم ہونے لگی۔ ایسی جھیل جس میں صُبحِ اوّلیں کی شعاعیں رنگین تانے بانے بُن رہی ہوں۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے منطقی شعور نے جھپٹ کر ذہن کے اس گوشے پر سیاہ چادر ڈال دی جہاں سے محبّت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ غزالہ نے بھی شاید یہ تبدیلی محسوس کرلی۔ اس کے چہرے پر افسردگی دوڑ گئی۔

"کہیئے تو چائے یہیں بھجوادوں۔" غزالہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"ابّا جان وغیرہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اس وقت میری طرف سے معافی مانگ لیجئے گا۔"

"اچھا تو پھر میں یہیں بھجوادوں گی۔" غزالہ نے کہا اور چند لمحوں تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔

فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد اس نے انگلیوں میں دبا ہوا سگار باہر پھینک کر دوسرا سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"ابّا میاں۔۔۔!" کسی نے پیچھے سے پکارا۔

فریدی پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دروازے میں پرویز کھڑا دودھ کی شیشی میں منہ لگائے دودھ چوس رہا تھا۔

"تم ہمارے ابّا میاں ہو؟" پرویز فریدی کو اپنی طرف متوجّہ دیکھ کر بولا۔ فریدی اس کے اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا۔ لیکن پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"ابّا میاں ہنستے ہیں۔۔۔ ابّا میاں ہنستے ہیں۔" پرویز دودھ کی شیشی بغل میں دبا کر تالیاں بجاتا ہوا اچھلنے کودنے لگا۔

اتنے میں حمید بھی آ گیا۔

"اور بیٹا چچا جان کو بھول گئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا مگر حمید کے چہرے پر بدستور شرارت آمیز مُسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کہیے جناب۔۔۔ اتنی بوڑھی اولادیں لیے پھرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اپنی ہنسی روک کر سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاہا۔۔۔!" پرویز اچھل اچھل کر ہنستا ہوا بولا۔ "

"ابّا میاں نے چچا جان کو ڈانٹ دیا۔۔۔ آہاہاہا۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر شرارت آمیز نظروں سے پرویز کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم گود میں بیٹھیں گے۔" پرویز حمید کے نزدیک آکر ٹھنک کر بولا۔

"جی۔۔۔!" حمید تحیّر آمیز لہجے میں چیخا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔۔۔ ذرا اس نحیف و نزار جسم کو ملاحظہ فرمایئے۔" پرویز اُچھل کر اس کی گود میں بیٹھ گیا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی رانوں کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ارے جناب والا۔۔۔ اتریے بھی۔۔۔ ورنہ میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔" حمید کراہ کر بولا۔

"ہم خلگوش کا بچہ لیں گے۔" پرویز حمید کی گود میں مچلتا ہوا بولا۔

"ارے مرا۔۔۔!" حمید چیخا۔ "خرگوش کا بچّہ نہیں بلکہ میں آپ کو گدھے کا بچّہ منگوادوں گا اللہ میری جان چھوڑیے۔"

"نائیں۔۔۔نائیں۔۔۔خلگوش کا بچّہ۔" پرویز اور زیادہ مچلنے لگا۔

"اللہ میری جان بچائیے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف مُنہ پھیر کر سگار پینے لگا۔

"خلگوش کا بچّہ۔۔۔خلگوش کا بچّہ۔"

"ابے بھاگ بھُوتنی کے۔" حمید نے جھلّا کر پرویز کو دھکیل دیا۔ پرویز کے گرتے ہی دودھ کی شیشی ٹوٹ گئی اور سارا دودھ فرش پر پھیل گیا۔

پرویز فرش پر پڑا ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"تم نے کیا کِیا۔" فریدی نے گھبرا کر اُٹھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں غزالہ نوکر کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔

"یہ کیا۔۔۔؟" پرویز کو اس حال میں دیکھ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آخر ہوا کیا۔۔۔؟"

"حمید کو تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔۔۔ بے چارہ دُبلا پتلا آدمی ہے۔ پرویز صاحب اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئے تھے اور کسی طرح اترنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔"

"اوہ۔۔۔!" غزالہ پرویز کو زمین سے اُٹھانے کے لیے جھکی۔

"اُٹھیے چچا جان۔۔۔ دیکھئے یہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"نائیں اُٹھیں گے۔۔۔ ہم کو دھکیل دیا۔۔۔ آں۔۔۔" پرویز روتا ہوا بولا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر غزالہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ فریدی اور حمید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بہ ہزار دشواری غزالہ اسے بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔

"تم نے بہت بُرا کیا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"تو کیا اپنی ہڈّیاں تڑواڈالتا۔" حمید نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

"اُسی دِن۔۔۔رات کی بات ہے۔ فریدی، حمید، غزالہ، طارق اور نوّاب صاحب برآمدے میں بیٹھے کنوئیں سے چنگاریاں نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزالہ کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"گیارہ تو بج گئے۔" نوّاب صاحب نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مجرم اب آج تیسری حماقت نہ کرے گا۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ کسی آدمی کی حرکت ہے۔" نوّاب صاحب نے کہا۔

"سو فیصدی۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً ایک تیز قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"یہ لو آوازیں شروع ہوئیں۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

جانوروں کی آوازوں سے کوٹھی گونج رہی تھی۔ فریدی اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ متعدد کمروں میں گھوم گھوم کر آوازیں سُنتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ برآمدے میں لوٹ آیا۔ یہاں بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آوازیں دیوار کے ایک حصّے سے نکل رہی ہوں۔ آوازوں کا سارا سلسلہ ختم ہوتے ہی اس نے پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"اوہ۔۔۔!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سیڑھی۔۔۔بانس کی سیڑھی۔" وہ دفعتاً چیخا۔

"کیا مطلب۔۔۔!" نوّاب صاحب چونک کر بولے۔

"ایک سیڑھی منگوائیے۔" فریدی نے کہا اور بجھے ہوئے سگار کو سلگا کر بے تابی سے برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں عجیب قسم کی پُراسرار چمک پیدا ہو گئی تھی۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس پر ایسی کیفیّت ایسے ہی موقعوں پر طاری ہوتی تھی جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا شکار اس کے پھندے میں آگیا ہے۔

"خدا خیر کرے کچھ ہونے ہی والا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا۔۔۔!" غزالہ جو قریب ہی کھڑی تھی چونک کر بولی۔

"کوئی نئ بات ہونے والی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

”ابھی سمجھ میں آجائے گا۔“

اتنے میں دونوکر سیڑھی لے کر آگئے۔

”اوہ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خیر کچھ پرواہ نہیں۔۔۔ ذرا وہ میز ادھر گھسیٹ کر دیوار سے لگادو اور یہ سیڑھی اس پر رکھ کر دیوار سے ٹکادو۔“

اس کی ہدایت کے مطابق سیڑھی لگادی گئی۔

”ایک بات۔۔۔!“ فریدی نوّاب صاحب کی طرف مُڑ کر بولا۔ ”کیا ان آوازوں سے پہلے ہمیشہ اسی قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔

”اسی بناء پر تو میں نے یہ کہا تھا کہ اب جانوروں کی آوازیں شروع ہونے والی ہیں۔“

فریدی معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا سیڑھی پر چڑھ گیا۔

اوپر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر دیوار کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا رہا پھر یک

بیک اس کا قہقہہ سُن کر لوگ چونک پڑے۔

"کیا بات ہے بھئی۔" نوّاب صاحب خوفزدہ آواز میں بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ لیکن دلچسپ ضرور ہے۔"

"کچھ بتاؤ بھی۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دیوار کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کا سوال ہے۔" نوّاب صاحب بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ سوال بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے بھائی پتھّر کی ہے اور کس چیز کی ہوتی۔"

"کیا پوری۔۔۔!"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔!" نوّاب صاحب جانے کے لیے مُڑے۔

”ذرا ٹھہریئے۔۔۔میں ایک ذمّہ دار آدمی کی حیثیت سے آپ سے یہ سوالات کر رہاہوں۔“فریدی نے دیوار کے ایک حصّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا یہاں بھی پتھّر ہی ہے۔“

”ہاں بھئی۔۔۔!“نوّاب صاحب نے کہا۔ لیکن اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے طوعاًو کرہاً جواب دیا ہو

”ذرا دیکھئے۔۔۔ یہ پتھّر کتنا لچک دار ہے۔“فریدی نے اس حصّے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا۔۔۔!“نوّاب صاحب حیرت سے چیخے۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”بھئی بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے۔۔۔مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔“

”تو سُنیے جناب۔۔۔ ابھی تک آپ لوگ ایک بہت ہی دلچسپ ریکارڈ سُنتے رہے

ہیں۔" یہاں اس جگہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن لگا ہوا ہے۔

"ارے۔۔۔!" نوّاب صاحب اچھل پڑے۔

"اور تعریف کرنی پڑتی ہے اس آرٹسٹ کی جس نے اس جالی کو رنگ و روغن کے ذریعے پتھّروں میں ملا دیا ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"کیا تماشہ ہے۔۔۔ آخر یہ سب کیا ہے۔" نوّاب صاحب اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولے۔

"یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میں کیا بتاؤں۔"

"تعجّب کی بات ہے کہ آپ اس مکان کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

”بھلا اس بات پر کسے یقین آئے گا۔“ فریدی نے سیڑھی سے اترتے ہوئے کہا۔
”اندر بھی کئی مقامات پر ایسے ہی ہارن فٹ ہیں۔“

”ہوں گے بھئی۔۔۔ مگر میں قسم کھا کر۔۔۔!“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ میرا کام ختم۔۔۔ چلو بھئی حمید۔۔۔ سامان وغیرہ ٹھیک کرو۔۔۔ اسی وقت چلیں گے۔ ایک بجے والی گاڑی مل ہی جائے گی۔“

”مگر۔۔۔ مگر۔۔۔!“ نوّاب صاحب رُک رُک کر بولے۔ ”کام۔۔۔ ختم۔۔۔ کہاں۔۔۔ ہم لوگوں کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔“

”بھلا میں اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔۔۔ کم از کم یہ معاملہ میرے بس کا نہیں۔“

آخر آپ اس طرح کیوں جا رہے ہیں۔“ غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ ”اتنی کامیابی تو آپ نے حاصل کرلی ہے۔ اور اس کا پتہ لگانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔“

”خیر اس کا پتہ تو آپ لوگوں کو بھی تھا۔“

"تم جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" نوّاب صاحب بولے۔

"طارق صاحب بھلا آپ خود فیصلہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس بات پر کسے یقین آئے گا اس طرح دیواروں میں لاؤڈ اسپیکر فٹ کر دینا کوئی گھڑی دو گھڑی کا کام تو ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرصہ لگا ہو گا۔۔۔ پھر میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ اس گھر کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ فرض کیجئے کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی آدمی کی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہیے تھا۔۔۔ کیا خیال ہے۔"

"صاحب اس کے متعلّق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا۔

"جالی۔۔۔ لاؤڈ اسپیکر۔۔۔" نوّاب صاحب خود بخود بڑبڑائے۔

"شاید آپ کو یقین نہیں آیا۔" فریدی نے پتلون کی جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بھئی ذرا چڑھ کر اس معاملے کو صاف ہی کر دو۔"

حمید چاقو لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اتنی جالی کٹ گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن صاف دکھائی دینے لگا۔

"ایسے ہی اور بھی بہتیرے لاؤڈ اسپیکر یہاں کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں کیا کروں۔" نوّاب صاحب بے بسی سے بولے۔ ان کے سارے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

"اس عمارت کے کمروں میں سفیدی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے سال ہوئی تھی۔" نوّاب صاحب بولے۔

"تو یہ سب کام اس کے بعد ہی ہوا ہے۔ ورنہ سفیدی کرنے والوں میں ضرور سراسیمگی پھیلتی۔"

”اُف میرے خدایا۔“ نوّاب صاحب اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے بولے۔ ”تو یہ سب کام اس وقت ہوا جب میں اور غزالہ چھ ماہ کے لیے باہر چلے گئے تھے۔“

”اس وقت غالباً لاؤڈ اسپیکر کے ہارن فٹ کیے گئے تھے کیونکہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ یہ ایک رات میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان دیواروں میں تار دوڑانے کا انتظام اسی وقت کر لیا گیا ہو گا۔ جب یہ عمارت زیر تعمیر رہی ہو گی۔“

نوّاب صاحب حیرت سے فریدی کو دیکھ رہے تھے۔

”یہ عمارت کس کی نگرانی میں تیّار ہوئی تھی۔“ دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

”میرے مرحوم پرائیویٹ سیکرٹری کی نگرانی میں۔“ نوّاب صاحب بولے۔

”میں اس زمانہ میں مُستقل طور پر لکھنؤ میں مقیم تھا۔“

”تو یہ وجہ ہے ان حضرت کی موت کی۔“ فریدی بے تحاشہ بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔!"

"یقیناً وہ حضرت اس نامعلوم آدمی سے ملے ہوئے تھے، جو آپ کو تنگ کر رہا ہے اور آخر کار اس نے انہیں بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔" نوّاب صاحب بے اختیار بولے۔

"آپ کا کوئی دُشمن۔"

نوّاب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"مگر میرا کوئی دُشمن اتنا ذہین نہیں۔" نوّاب صاحب نے جواب دیا۔

"خیر بھئی۔۔۔ حمید چل کر سامان اکٹھا کرو۔" فریدی حمید کی طرف مُڑ کر بولا۔

"آپ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہر گز نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

”یہ سب کچھ میں نہیں جانتی۔۔۔ آپ کو ٹھہرنا پڑے گا۔“

”اور اب تو آپ اس کا پتہ ہی لگا سکتے ہیں کہ اس ہارن کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔“ طارق بولا۔

”ہاں کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔۔۔ صرف پوری عمارت کھدوانا پڑے گی۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”وہ کچھ بھی سہی۔۔۔ لیکن آپ یہاں سے جا نہیں سکتے۔“ غزالہ بولی۔ ”چلئے اب چل کر آرام کیجئے۔“

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرج اور چمک کہہ رہی تھی کہ بس بارش ہوا ہی چاہتی ہے۔ فریدی نے اپنا پلنگ بر آمدے میں نکلوا لیا تھا۔ اس وقت خُنکی بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے چادر اوڑھ لی تھی۔ سوتے وقت اس نے بر آمدے کی بجلی بجھوا دی تھی۔ ساری کوٹھی پر سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف ایک تاریک سایہ متحرک نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ فریدی کے پلنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پلنگ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور بڑا سا خنجر سونے والے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ ساتھ

ہی کسی طرف سے ایک دوسرا سایہ جھپٹ کر پہلے سائے پر آرہا۔ دونوں گتھ گئے۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں دونوں کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دفعتاً ایک سایہ دوسرے کی گرفت سے نکل کر بھاگا۔ دوسرا سایہ اس کا پیچھا کرنے لگا اور پھیلی ہوئی تاریکی نے دونوں کو اپنے دامن میں چھپالیا۔

شور وغُل سن کر لوگ جاگ اٹھے۔ کمروں اور برآمدوں کے بلب روشن ہونے لگے۔ حمید بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ بھاگ کر فریدی کے کمرے کی طرف آیا۔ اسے معلوم تھا کہ فریدی برآمدے ہی میں سویا ہے۔ جیسے ہی اس نے ٹارچ جلائی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی نے ماتھے تک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کے سیاہ بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اور سینے پر ایک خنجر جس کا صرف دستہ نظر آ رہا تھا۔ حمید بے تحاشہ چیخنے لگا۔

”دوڑو۔۔۔ دوڑو۔۔۔ قتل قتل۔۔۔!“

نیند سے چونکے ہوئے لوگ جو معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ نہ پائے تھے

بے تحاشہ اس بر آمدے کی طرف دوڑے۔ ان میں سے ایک نے بر آمدے کا بلب روشن کر دیا۔

"کیا ہوا۔۔۔!" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "ارے یہ کیا۔"

"فریدی صاحب!"

"اُف میرے خدا۔۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔ ابّا جان۔۔۔ ابّا جان۔"

"اوہ شاید سو رہے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"جاؤ۔۔۔ جا کر جگا دو۔۔۔!"

"اُف میرے خدا۔۔۔ میں نے انہیں کیوں روک لیا تھا۔" غزالہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔

اس دوران میں بارش بھی ہونے لگی تھی اور اتنی تیز ہو رہی تھی کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے قہقہہ لگایا۔ سب لوگ چونک پڑے۔ فریدی پانی میں شرابور لڑکھڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے آپ۔۔۔!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" غزالہ بے اختیار بول اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو ابلے پڑ رہے تھے۔

"ارے آپ کیوں رو رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"پہلے یہ بتایئے کہ یہ کون ہے۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چادر اُلٹ کر دیکھو۔"

جیسے ہی حمید نے چادر الٹی اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

چادر کے نیچے تین چار تکیئے رکھے ہوئے تھے اور سرہانے کے تکیے پر دفتی کا بنا ہوا ایک سر رکھا ہوا تھا۔ جس پر سیاہ رنگ کے بڑے بڑے بال چپکے ہوئے تھے۔

”مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آج رات کو مجھ پر ضرور حملہ ہو گا۔ اسی لیے میں یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن غزالہ خانم کی ضد کے آگے ایک نہ چلی اور مجبوراً مجھے یہ انتظام کرنا پڑا۔“

”مجھے شرمندگی ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر میں آج چلا گیا ہوتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔“

”حضور بڑے سرکار کمرے میں نہیں ہیں۔“ اس نوکر نے لوٹ کر کہا، جو نوّاب صاحب کو بلانے کے لیے گیا تھا۔

”کیا کہا کمرے میں نہیں۔“ غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کون۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ابّا جان۔۔۔!“ غزالہ پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہ۔۔۔!" فریدی تیزی سے نوّاب صاحب کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔ نوّاب صاحب کا کمرہ خالی تھا۔ بستر بچھا ہوا تھا۔ بستر کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ کوئی اس پر سویا ضرور ہے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان ڈالا گیا۔ نوّاب صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ غزالہ بُری طرح پریشان تھی۔ فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق آہستہ آہستہ حمید سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ آپ لوگ جا کر آرام کیجئے۔ "فریدی نے کہا۔ "نوّاب صاحب جہاں گئے ہوں گے واپس آ جائیں گے۔"

"آخر اس وقت کہاں گئے۔" غزالہ بے چینی سے بولی۔

"ممکن ہے روزانہ اس وقت وہ کہیں جاتے ہوں۔ آپ ان کے پیچھے پیچھے تو گھومتی نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ آپ کے ماتھے سے خون کیسا نکل رہا ہے۔" غزالہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

”بھاگ دوڑ میں کہیں چوٹ لگ گئی ہو گی۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ وہ کم بخت بچ کر نکل گیا۔“

اور وہ کنواں

دوسرے دِن صُبح نوّاب صاحب کی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ نوّاب صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے سب سے زیادہ غزالہ پریشان تھی اور سب سے زیادہ خاموش فریدی تھا۔ گہرے تفکّر کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھری ہوئی تھیں۔

"جنابِ من۔۔۔!" طارق نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رات سے میرا نیولا غائب ہے۔"

”ارے جناب یہاں آدمی غائب ہوئے جارہے ہیں اور آپ کو نیولے ہی کی پڑی ہے۔“

”آپ غلط سمجھے مسٹر فریدی۔“ طارق بولا۔ ”نوّاب کی وجہ سے مجھے خود بھی پریشانی ہے۔۔۔ مگر وہ نیولا۔“

”بہت قیمتی تھا۔“ فریدی نے اس کا جملہ پورا کردیا۔

”جی ہاں۔۔۔!“

”ارے صاحب جانور ہے۔۔۔ کہیں بھاگ واگ گیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”بھاگ تو وہ سکتا ہی نہیں۔۔۔ ضرور اسے کسی نے پکڑ لیا۔“

”کہیے ہندستان آپ کو پسند آیا۔“ فریدی اچانک پوچھ بیٹھا۔

طارق چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”جی ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ مگر میرا نیولا۔“

”چھوڑیے بھی مل ہی جائے گا۔۔۔ آپ اس سے قبل بھی کبھی ہندوستان آئے تھے۔“

”جی نہیں۔۔۔ لیکن نیولا۔۔۔!“

”میرے خیال سے محض اسی لیے غائب کیا گیا ہے کہ کہیں وہ نوّاب صاحب کو ڈھونڈ نہ نکالے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب سمجھ کر کیا کیجیئے گا۔۔۔ بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا قیمتی نیولا ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔“

”شکریہ۔۔۔ شکریہ۔۔۔“ طارق نے کہا۔ ”معاف کیجیئے گا میں مخل ہوا۔۔۔ مگر میں کیا کروں۔۔۔ میرا نیولا۔“

”آپ اطمینان رکھیئے۔۔۔ جا کر ناشتہ کیجیئے۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

طارق چلا گیا۔

کچھ دیر بعد غزالہ آگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"گھبرائیے نہیں۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک کہ یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں یہیں مقیم رہوں گا۔" "کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"کسی زبان سے نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آخر آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نوّاب صاحب جہاں کہیں بھی ہیں بخیریت ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"انشاء اللہ۔۔۔ایسا ہی ہو گا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ارے۔۔۔ایسے میں ناشتے کی کسے سوجھتی ہے۔"

”پھر وہ بات میں کہتا ہوں آخر اس سے فائدہ ہی کیا۔“

”اب میں اپنے دل کو کیا کروں۔“

”سنبھالیے۔۔۔ آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔“

”کوشش تو کرتی ہوں۔“

”اچھا جایئے۔۔۔ ناشتہ کر ڈالیے۔“

”اور آپ۔۔۔!“

”میں ابھی نہیں کروں گا۔۔۔ ضرور تاً ایسا کہہ رہا ہوں۔“

”غزالہ چلی گئی۔“

فریدی کا معمول تھا کہ جب اُسے کسی اہم معاملے پر غور و خوض کرنا ہوتا تھا تو وہ عموماً خالی پیٹ ہی رہا کرتا تھا۔۔۔ اس لیے آج بھی اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔۔۔ وہ خود پر حملہ ہونے کے بعد سے اب تک بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ تھوڑی

دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر حمید کے کمرے کی طرف گیا۔ حمید شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔۔۔ اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریں سوجی ہوئی تھیں۔

"تم جیسا سونے والا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کی نظروں میں ابھی گذرا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "نوّاب صاحب ملے یا نہیں۔"

"ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"تو یقیناً میرا شُبہ درست ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ آپ بھی شُبہ کرنے لگے ہیں۔ ذرا مجھ سے بھی فرمایئے شاید آپ ہی صحیح راہ پر ہوں۔"

"نوّاب رشید الزّماں خود ہی مجرم ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے۔۔۔؟" فریدی ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔۔۔ میرے پاس اس کا بہت ہی معمولی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ نوّاب رشید الزّماں آپ پر حملے کے بعد ہی کیوں غائب ہو گئے۔ آپ نے حملہ کرنے والے سے دو دو ہاتھ بھی کیے تھے۔ ممکن ہے نوّاب صاحب کو خیال پیدا ہوا ہو کہ کہیں آپ نے حملہ کرنے والے کو پہچان نہ لیا ہو۔"

"بہت اچھے! لیکن یہ تو سوچو کہ آخر ان کی روپوشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بچ کر نکل گیا تھا اور پھر میں اس کا ثبوت کس طرح بہم پہنچاتا کہ اس میں رشید الزّماں ہی کا ہاتھ ہے۔"

"ہر شخص اتنا نہیں سوچ سکتا تھا جتنا کہ آپ سوچتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "خیر بہر حال۔۔۔ ذرا اپنی کرسی قریب لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت کوئی خاص بات۔" حمید نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اپنی کرسی فریدی کے قریب کرلی۔

”سنو۔۔۔!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”آج رات کو میں اس کنوئیں میں اتروں گا۔“

”میں آپ کو ہرگز نہ اترنے دوں گا۔“

”کیوں۔۔۔!“

”میں مناسب نہیں سمجھتا۔“

”نہیں بھئی۔۔۔ اب اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔“

”تو گویا آپ پر حُسن کا جادو اس بُری طرح چل گیا ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ غزالہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔“

”پھر وہی گدھے پن کی باتیں۔“

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔۔۔ میں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی گھوڑے پن کی

باتیں نہیں کیں۔"

"ہٹاؤ بھی۔۔۔ یہ فضول باتیں۔۔۔ تفریح کے لیے پھر بہت وقت ملتا رہے گا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات اس کنوئیں کی نگرانی ضرور کی جاتی ہو گی۔"

"نگرانی۔۔۔ نگرانی کون کرتا ہو گا۔"

"مجرم۔۔۔!"

"مجرم تو غائب ہے۔"

"بھئی فی الحال یہی فرض کر لو کہ نوّاب رشید الزّماں مجرم نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال۔۔۔ ہاں تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم شام ہی سے باغ پر نظر رکھنا۔"

”بہتر ہے۔۔۔ لیکن میں کسی طرح یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کنوئیں میں اتریں۔“

”بس دیکھتے رہو۔۔۔ میرے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں۔“

اُسی دِن رات کو حمید دوڑا ہوا فریدی کے پاس آیا۔

”آپ کا خیال صحیح تھا۔“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کنوئیں کی پیچھے والی جھاڑی میں چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔“

فریدی پہلے ہی سے تیّار بیٹھا تھا۔ اس نے ضروری سامان ساتھ لیا اور حمید کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پھاٹک کے باہر نکل کر دونوں چہار دیواریوں کے نیچے چلنے لگے۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔

”میرا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ چھپا ہو گا۔۔۔“ فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

دونوں بہ آہستگی تمام دوسری طرف اترنے لگے۔

"وہ دیکھئے کنوئیں کی جگت کے پاس جھاڑیوں میں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے سر ہلایا۔ وہاں کوئی چھپا ہوا تھا۔ فریدی اپنے پستول کی نال پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس کا پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"حمید۔۔۔ حمید۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ رسّی۔" فریدی نے کہا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی کو دبوچے بیٹھا تھا۔ آدمی سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے ایک درخت کے تنے سے جکڑ دیا۔

"تمہارا پستول بھرا ہوا ہے نا۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو اس کی اچھی طرح نگرانی کرتے رہنا۔ اگر کوئی بات ہو تو بے دریغ پستول استعمال کرنا۔"

یہ کہہ کر فریدی جھاڑیوں میں گھُس گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا۔

"یہ کیا۔۔۔!" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"طارق کا نیولا۔۔۔!"

"ارے۔۔۔!"

"اس میں تعجّب کی کیا بات ہے۔"

"تو اسے آپ ہی نے غائب کیا تھا۔"

"ہاں۔۔۔ اس کنویں میں بکثرت سانپ ہیں۔ لیکن وہ اس نیولے کی بو پاتے ہی اپنے بلوں میں جا چھپیں گے۔"

"اوہ۔۔۔ سمجھا۔۔۔!"

فریدی نے پنجرہ زمین پر رکھ دیا اور ریشم کی ایک مضبوط ڈوری کے سرے میں

ایک پتھّر باندھ کر اسے کنویں میں پھینک دیا اور ڈور کا دوسرا اِسرا قریب کے ایک درخت کے تنے سے باندھ کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"اچھا بھئی۔۔۔ حمید خدا حافظ۔۔۔ میں چلا۔۔۔ بہت ہوشیاری سے رہنا۔۔۔ اگر کوئی خطرہ درپیش ہو تو بے تکلّف گولی چلا دینا۔۔۔" فریدی نے کہا اور نیولے کا پنجرہ اپنے گرد لپٹی ہوئی چمڑے کی پیٹی میں لٹکا لیا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں دیر تک کنویں کے اندر دیکھتا رہا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے ٹارچ پتلون کی جیب میں ڈالی اور ریشم کی ڈور کے سہارے کنویں میں اُترنے لگا۔ ریشم کی ڈور کے سہارے اترنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ڈور پسینے کی وجہ سے ہاتھ سے پھسلنے لگی۔

کنوئیں میں بلا کی تاریکی تھی۔ اسے اپنے آس پاس سانپوں کی پھپھکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

حیرت

فریدی کی کمر سے لٹکے ہوئے پنجرے سے بھی عجیب قسم کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید نیولا سانپوں کی پھپھکاریں سُن کر اپنے غصّے کا اظہار کر رہا تھا۔ فریدی کے بازو شل ہو گئے تھے۔ ہر بار اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب رسّی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے ایک چوڑی کگار پر کھڑے ہو کر جیب سے ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے صرف آدھی مسافت طے کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا دم گھُٹا جا رہا تھا۔ اس نے منہ اوپر کر کے دو تین گہرے گہرے سانس لیے اور پھر نیچے اُترنے لگا۔ بہر حال بہ ہزار

وقت وہ کنوئیں کی تہہ تک پہنچا۔ اس کے سارے کپڑے پسینے میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کافی دیر تک بارش میں بھیگتا رہا ہو۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ کنوئیں کی تہہ کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا۔ جیسے اس کی محنت بیکار گئی ہو۔ کنوئیں میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ سانپوں کی طرف سے تو خیر اس نیولے کی موجودگی کی وجہ سے اسے اطمینان تھا لیکن گرمی خدا کی پناہ۔۔۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی کمزور دل و دماغ کا آدمی ہوتا تو اب تک کبھی کا بے ہوش ہو گیا ہوتا۔ تھک ہار کر اُس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ رسّی پکڑ کر جیسے ہی اس نے اپنا پیر اٹھایا دوسرا پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکرا گیا اور ایک عجیب قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ فریدی چونک کر پھر نیچے اتر گیا۔ جہاں پیر لگا ہوا تھا اس جگہ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے انگلیوں سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹاتا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

دیوار کا یہ حصّہ ٹین کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ دیکھنے میں

اینٹوں کی جڑائی معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے چاقو نکالا۔

تھوڑی دیر میں اس نے ٹین کا وہ ڈھکن وہاں سے نکال پھینکا۔ ہوا کا ایک فرحت انگیز جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا اور اس کی رگوں میں توانائی دوڑ گئی۔ اس کے سامنے دیوار کا اتنا بڑا حصّہ کھل گیا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بآسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں نیولے کا پنجرہ۔ اب وہ ایک اچھے خاصے کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹھٹک گیا۔ سامنے ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہوئے تھے۔

فریدی نے بے ساختہ پنجرہ زمیں پر پھینک کر ریوالور نکال لیا۔ لیکن وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔

"لاحول و لا قوۃ۔" فریدی کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ اس نے قریب جا کر دونوں کو ٹٹولا۔ وہ ربر کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً فریدی کو خیال آیا کہ یہ وہی مورتیاں ہیں جنہیں پہلے دِن نوّاب صاحب وغیرہ نے لاش سمجھا تھا۔ فریدی

آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر اس کمرے میں آرہی تھی۔ فریدی نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی بارود کی بُو محسوس کی تھی۔ دوسرے کمرے میں کسی کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ فریدی نے کواڑوں کی درز سے آنکھیں لگا دیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ دوسرے کمرے میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کے سینے سے تازہ تازہ خون اُبل رہا تھا۔ ایک کرسی پر نوّاب رشید الزّماں بیٹھے تھے۔ لیکن وہ رسّیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر رُک گیا۔ البتّہ اس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کسی وقت بھی آسانی سے کھولا جا سکتا ہے۔

اچانک ایک آدمی دروازے ہی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

یہ پرویز تھا۔ پرویز جو پاگل تھا۔ پرویز جو بچّوں کی طرح تتلا تتلا کر بولتا تھا۔ پرویز جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا۔۔۔ وہ پرویز اس وقت سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں

دودھ کی شیشی کے بجائے پستول تھا اور آنکھوں میں معصومیت کے بجائے سفّاکی، درندگی اور وحشیانہ پن رقص کر رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے اس نمک حرام کا انجام۔۔۔!" پرویز نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہہ رہا تھا کہ جاسوسوں کو میرے متعلّق بتا دے گا۔۔۔ ہونہہ۔"

فریدی کے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی کیونکہ پرویز اس وقت تتلا کر نہیں بول رہا تھا۔

"ہاں تو بھائی صاحب اب۔۔۔ آپ بھی مرنے کے لیے تیّار ہو جایئے۔" پرویز بولا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ سگے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" نوّاب صاحب گڑ گڑا کر بولے۔

"کچھ بھی ہو۔۔۔ لیکن میں اسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا کہ اپنے باپ کے

ترکے سے اس لیے محروم کر دیا جاؤں کہ اس نے میری ماں کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔"

"کیا میں نے تمہیں کبھی یہ چیز محسوس ہونے دی۔" نوّاب صاحب بولے۔

"میں ان فضولیات میں نہیں پڑتا۔۔۔ میں تمہیں قتل کروں گا۔ جاسوسوں کو پہلے ہی سے تم پر شُبہ تھا۔ تمہارا غائب ہو جانا اس شبہے کو یقین میں تبدیل کر دے گا۔ تمہاری روپوشی کے بعد تمہاری چیزوں کا میں پورا پورا مالک ہوں گا۔ غزالہ کے علاوہ اور تمہارا ہے ہی کون، جو مجھ سے نمٹنے کے لیے آئے گا۔۔۔ اور رہ گیا غزالہ کا معاملہ تو میں اسے اسی طرح رکھوں گا جس طرح تمہارے باپ نے میری ماں کو رکھا تھا۔"

"کیا بکتا ہے۔۔۔ بدنصیب۔۔۔!" نوّاب صاحب گرج کر بولے۔ "وہ تیری بھتیجی ہے۔"

"ہو گی۔۔۔!" پرویز نے لاپرواہی سے کہا۔ "میری ماں آوارہ تھی اس لیے

تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارے باپ ہی کی اولاد ہوں۔ بہر حال میں حرامی ہوں۔ اس لیے حرامی پن کی حد کر دینا چاہتا ہوں۔"

"چپ رہ مردود۔۔۔!" نوّاب صاحب چیخے اور فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ کواڑوں کی جھپٹ میں آ کر پرویز اوندھے منہ گر پڑا۔ فریدی اُچھل کر اس پر آ رہا۔ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اسے ایک فولاد کے بنے ہوئے آدمی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ دفعتاً پرویز فریدی کی گرفت سے نکل کر پھرتی سے ایک صوفے کی آڑ میں ہو گیا۔ فریدی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے جھپٹ کر ایک میز گرائی اور اس کی اوٹ لے لی۔ دونوں طرف سے گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ دفعتاً فریدی نے چیخ ماری اور گر پڑا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرویز کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور پرویز چیخ مار کر گر پڑا۔ فریدی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پرویز کو تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ گولی ٹھیک اس کے ماتھے پر لگی تھی۔

”فریدی بیٹا۔۔۔!“نوّاب صاحب چیخے اور بیہوش ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

دوسرے دِن شام کو نوّاب صاحب، غزالہ، طارق، فریدی، حمید اور دو سب انسپکٹر ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔

”ایسی تاریک رات میں اس کنوئیں میں اُترنا فریدی ہی کا کام تھا۔“نوّاب صاحب بولے۔

”مجھ سے دراصل ذرا سی غلطی ہو گئی۔ ورنہ اتنی پریشانی نہ اُٹھانی پڑتی۔ کھنڈروں والا راستہ زیادہ سیدھا اور آسان تھا۔ صرف ذرا سا دماغ پر زور ڈالنا پڑتا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے اپنا زیادہ وقت کھنڈروں پر ہی کیوں نہ صرف کیا۔“

”خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔“ طارق بولا۔

”مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ مجھے سوتے سے کس طرح اُٹھالے گئے کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔“نوّاب صاحب نے کہا۔

"کلوروفام۔۔۔!" فریدی بولا۔

"ان تینوں بدمعاشوں میں سے ایک لاپتہ ہے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا۔" حمید بولا۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔" فریدی۔ "بھلا کون کہہ سکتا تھا پرویز اتنا خطرناک آدمی ہے۔ اور وہ تینوں جو اُسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے وہ اس کے گرگے ہیں۔"

"خیر اب چھوڑیئے۔۔۔ ان باتوں کو۔۔۔!" غزالہ بولی۔ "مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"اور ہاں طارق صاحب ایک صاحب کو آپ پر بھی شُبہ تھا۔" فریدی نے شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

غزالہ اُسے غصّے اور پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھ پر۔۔۔!" طارق نے قہقہہ لگایا۔ "نہ جانے کیوں لوگ عموماً میری طرف

سے مشکوک رہا کرتے ہیں۔"

"آپ کے نیولے کی وجہ سے۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

"اوہ۔۔۔ اس نے سینکڑوں بار میری جان بچائی ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔۔۔ "اگر یہ نہ ہوتا تو فریدی صاحب کنوئیں کے قریب جانے کی بھی ہمّت نہ کر سکتے۔"

"اس میں تو شُبہ نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر باغ میں بکھری ہوئی ہریالی سے آنکھوں کی تھکاوٹ دور کرنے لگا۔

دفعتاً کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مُڑا۔۔۔ غزالہ کی خوبصورت آنکھوں نے اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ غزالہ کے نرم اور نازک ہونٹوں پر ایک لطیف سا تبسّم بکھرا ہوا تھا۔ فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصّہ موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے بے اختیار غزالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں

لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ۔۔۔ آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" فریدی نے بچّوں کی طرح کہا اور غزالہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مُسکراہٹ رقص کر رہی تھی جس کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ کچھ اور بھی کہو۔۔۔ مگر۔۔۔ فریدی۔۔۔ اس معاملے میں قریب قریب بالکل بُدھو تھا۔ اس نے کسی رومانی ناول کا کوئی اچھا سا جملہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدقّت تمام بولا۔

اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ وہ دونوں چونک پڑے۔۔۔ دروازے کے قریب حمید گر پڑا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ دونوں دوڑ کر اس کے قریب آئے۔

فریدی نے سر ہلایا اور غزالہ کو جانے کا اشارہ کر کے خود حمید پر جھک گیا۔ غزالہ دونوں کو حیرت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

”حمید۔۔۔حمید۔۔۔!“ فریدی نے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ ہم۔۔۔ ہم۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ اچھ۔۔۔ اچھی۔۔۔لل۔۔۔ لگتی ہیں۔“ حمید لیٹے لیٹے بڑبڑایا۔ ”ارے۔۔۔ باپ رے۔۔۔بھُوت۔۔۔بھُوت۔۔۔!“

فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

”یہ کیا حرکت۔۔۔؟“

”حرکت۔۔۔ارے رے۔۔۔ حرکت۔۔۔ہائے۔۔۔ آپ پر بھی۔۔۔ آسیب کا سایہ ہو گیا۔“

”کیا بکتے ہو؟“

”ارے باپ رے۔۔۔ آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔۔۔ارے بہت بڑا کافر مسلمان

ہو گیا۔ شکر ہے خُدا تیرا۔۔۔ ارے میں خوشی کے مارے بے ہوش ہو گیا تھا۔۔۔ تھوڑا پانی۔۔۔ نقّاہت محسوس ہو رہی ہے۔"

فریدی حمید کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک حصّے سے مُسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جھیپنی جھیپنی سی مُسکراہٹ۔

"میرے سرکار آخر خفگی کس بات کی۔۔۔" حمید فریدی کے پیچھے آ کر بولا۔ "اب تو مزہ ہی مزہ ہے۔"

فریدی جھلّا کر مُڑا۔

"عجیب احمق ہو۔۔۔ اگر اس نے سُن لیا تو۔"

"تو ہرج ہی کیا ہے۔۔۔ محبّت میں سب کچھ جائز ہے۔"

"محبّت۔۔۔!" فریدی اس کا گریبان پکڑے ہوئے بولا۔ "کس بات میں دیکھی ہے تم نے محبّت۔"

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا کسی کے حُسن کی تعریف کرنا محبّت ہے۔"

"قطعی۔۔۔!"

"تو ادھر دیکھو۔۔۔!" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جسے تم محبّت کہتے ہو اس کے لیے اس پتھّر میں کوئی گنجائش نہیں۔"

"کبھی کبھی پتھّر بھی اپنی ہی آنچ سے پگھل جاتا ہے۔۔۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"شاباش۔۔۔ برخوردار۔۔۔ کس ناول سے رٹا تھا یہ جملہ۔" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔

"خیر ہو گا مُجھے کیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کنویں سے آگ کس طرح نکلتی تھی۔"

"تم بھی رہے وہی ڈیوٹ کے ڈیوٹ۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "ارے میاں آتش

بازی تھی۔ کیا تم نے مٹّی کے وہ بڑے بڑے انار نہیں دیکھے تھے جو تہہ خانے
سے بر آمد ہوئے ہیں۔"

"اوہ وہ واقعی اچھا خاصہ بچّوں کا کھیل تھا۔۔۔۔ مگر خطرناک۔" حمید نے کہا اور
سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ختم شُد